جاوید احمد غامدی کا منشور

اگر جاوید احمد غامدی کے نظریات کو
اوران کے سلف وصالحین سے الگ
رخ پر چلنے کو اور دین اسلام کے
مسلمات کے چھوڑنے کو اور
احادیث صحیحہ کے ٹھکرانے کو دیکھنا
ہے تو غامدی ہی کے منشور کے آئینے
میں دیکھ لیجیے

تالیف
حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب
اُستاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

ناشر
مکتبہ ایمان و یقین
علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مؤلف

زیر نظر کتاب کا نام ''جاوید احمد غامدی کا منشور'' ہے یہ منشور کوئی دس بارہ سال سے میرے پاس [illegible]ط پڑا ہوا تھا غامدی صاحب کئی کتابوں کے مصنف ہیں انہوں نے اپنی کتابوں میں سر سید احمد خان، حمید الدین فراہی اور امین اصلاحی کے غلط نظریات کو اجاگر کیا ہے، خود بھی ان کے بہت سارے نظریات قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں علماء حق نے ان کی کتابوں میں لکھے ہوئے غلط نظریات کا خُوب تعاقب کیا ہے اور حق و باطل کو واضح کر کے امت کی صحیح رہنمائی فرمائی ہے، لیکن جاوید احمد غامدی صاحب کے منشور کا نسخہ شاید ان علماء کے ہاتھ نہیں لگا ہے اس لیے میرے علم کے مطابق کسی نے اس میں درج غلط نظریات پر گرفت نہیں کی، اگرچہ غامدی صاحب کی دیگر کتابوں میں ان کے منشور کے چند غلط نظریات بھی کھل کر سامنے آگئے ہیں، تاہم اب بھی بہت سارے غلط نظریات منشور کے اندر پردۂ راز میں لپٹے ہوئے پوشیدہ تھے، میں نے اسی کو مسلمانوں کے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے تاکہ مسلمان اس کو پڑھیں اور اپنے ایمان وعقائد کی حفاظت کریں، میری اس تحریر میں قلم کی کچھ سختی نظر آئے

گی لیکن میں اس سے متعلق وہی کہوں گا جو غامدی صاحب خود اپنی تحریروں کے بارے میں کہہ چکے ہیں کہ:

؎ چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر　　　کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

وَمَا أُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْم

فضل محمد یوسف زئی

استاذ حدیث جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۷ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۸ جنوری ۲۰۱۵ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جاوید احمد غامدی صاحب سیاق وسباق کے آئینہ میں

جناب جاوید احمد غامدی صاحب کون ہیں؟ ان کا علمی پس منظر کیا ہے؟ انہوں نے کہاں پڑھا؟ کیا پڑھا؟ ان کے پاس دینی وعصری علوم کی کوئی سند یا ڈگری ہے یانہیں؟ وہ کن علوم وافکار سے متاثر ہیں؟ ان کے اساتذہ کون تھے؟ وہ ایک دم کہاں سے نمودار ہوئے؟ اور دیکھتے ہی دیکھتے کیسے شہرت کی بلندیوں پر پہنچ گئے؟ ان کو ٹی وی پر کون لایا؟ وہ اسلامی نظریاتی کونسل میں کیسے داخل ہوئے؟ انہیں اپنی فکر وفلسفہ کے پروان چڑھانے میں کن لوگوں نے تعاون کیا؟ یہ وہ سوالات ہیں جن سے غامدی صاحب کے بہت سے سامعین، قارئین وعاشقین بے خبر ہیں۔ کہتے ہیں کہ انسان اپنے استاذوں سے اور استاذ اپنے شاگردوں سے پہچانا جاتا ہے۔ آیئے! اس حوالے سے ایک شاگرد، استاذ اور استاذ الاساتذہ کی سوانح اور کردار وعمل کا جائزہ لیتے ہیں۔

حمید الدین فراہی

یہ ۱۹۰۰ کا ذکر ہے۔ ہندوستان پر برطانوی سامراج کی دوسری صدی چل رہی تھی۔ ہندوستان کا وائسرائے مشہور ذہین اور شاطر دماغ یہودی ''لارڈ کرزن''

تھا۔ ان صاحب کو مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر اور صیہونی مقاصد کی تکمیل کا شیطانی شغف تھا۔ انگریز نے برصغیر کی زمین پاؤں تلے سے کھسکتے دیکھ لی تھی۔ سونے کی ہندوستانی چڑیا کے پر وہ نوچ چکا تھا۔ اب مشرق وسطیٰ میں تیل کی دریافت اور ارض اسلام کو اپنے گماشتوں میں تقسیم کرنے کا مرحلہ درپیش تھا۔ لارڈ کرزن کو انگریز سرکار کی جانب سے حکم ملا تھا کہ وہ خلیج عرب کے ساحلی علاقوں میں مقیم عرب سرداروں سے ملاقات کرے اور مطلب کے لوگوں کی فہرست بنائے۔ خلیج عرب کے ساحلی علاقوں سے مراد کویت، سعودی عرب کا تیل سے لبالب مشرقی حصہ جو اس وقت آل سعود کے زیر نگیں تھا، نیز بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات میں شامل سات مختلف ریاستیں اور عمان ہے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ونسٹن چرچل اور امریکی صدر فرینکلن روز ویلٹ پر لکیریں کھینچ کر ''جتنا کم اتنا لذیذ'' کے اصول پر عمل کرتے ہوئے جس طرح کیک کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے ہیں اسی طرح ''جتنا مالدار اتنا چھوٹا'' کے اصول پر عرب ریاستیں اپنے دوست عرب سرداروں میں تقسیم کر چکے تھے۔ اب اس تقسیم کو عمل جامہ پہنانے کے لیے فیلڈ ورک کی ضرورت تھی اور لارڈ کرزن اپنے مخصوص یہودی پس منظر کے سبب یہ کام بخوبی کر سکتا تھا۔

لارڈ کرزن خلیج عرب کے خفیہ دورے پر فوری روانہ ہونا چاہتا تھا اور اسے کسی

معتمد اور راز دار عربی ترجمان کی ضرورت تھی۔ برصغیر میں عربی اس وقت دو جگہ تھی۔ یا تو دارالعلوم دیوبند اور اس سے ملحقہ دینی مدارس، یا پھر علی گڑھ کا شعبہ عربی۔ اول الذکر سے تو ظاہر ہے کوئی ایسا ٹاؤٹ ملنا دشوار تھا۔ لارڈ کرزن کی نظر انتخاب اسی طرح کی مشکلات کے حل کے لیے قائم کئے گئے ادارہ علی گڑھ پر پڑی وہاں ایک مانگو تو چار ملتے تھے۔ مسئلہ چونکہ وائسرائے ہند کے ساتھ خفیہ ترین دورے پر جانے کا تھا جس کے مقصد اور کاروائی کو انتہائی خفیہ قرار دیا گیا تھا اس لیے کسی معتمد ترین شخص کی ضرورت تھی جو عقل کا کورا اور ضمیر کا مارا ہوا ہو۔ سفارشوں پر سفارشیں اور عرضیوں پر عرضیاں چل رہی تھیں کہ خفیہ ہاتھ نے کاروائی دکھائی اور علی گڑھ کے سرپرستان اعلیٰ کی جانب سے ایک نوجوان فاضل کا انتخاب کرلیا گیا۔ لارڈ کرزن صاحب کو ان کی عربی دانی سے زیادہ سرکار سے وفاداری کی غیر مشروط یقین دہانی کرادی گئی اور یوں یہ عجمی عربی دان مسلمان ہوکر بھی اس تاریخی سفر پر انگریز وائسرائے کا خادم اور ترجمان بننے پر راضی ہوگیا جس کے نتیجے میں آج خلیجی ریاستوں میں استعمار کے مفادات کے محافظ حکمران پنجے گاڑے بیٹھے ہیں اور امریکی سامراج و برطانوی افواج کو تحفظ اور خدمات فراہم کررہے ہیں۔

یہ نوجوان فاضل حمید الدین فراہی تھے۔ جو اُترپردیش کے ضلع اعظم گڑھ میں

ایک گاؤں ''فراہا'' میں پیدا ہوئے۔ آپ مشہور مؤرخ علامہ شبلی نعمانی کالج میں عربی پڑھاتے رہے۔ لارڈ کرزن کی ہم راہی کے لیے ان کے انتخاب میں علی گڑھ میں موجود ایک جرمنی پروفیسر ''جوزف ہوروز'' کی سفارش کا بڑا دخل تھا جو یہودی النسل تھا اور آپ پر اس کی خاص نظر تھی۔ آپ نے اس سے عبرانی سیکھی تھی تاکہ تورات کا مطالعہ اس کی اصل زبان میں کر سکیں۔

لارڈ کرزن صاحب جناب فراہی کی صلاحیت اور کارکردگی سے بہت خوش تھے چنانچہ واپسی پر انہیں انگریزوں کی منظور نظر ریاست حیدر آباد میں سب سے بڑے سرکاری مدرسہ میں اعلیٰ مشاہرے پر رکھ لیا گیا، اور آپ نے وہاں سے اس کام کا آغاز کیا جو قسمت کا مارا یہودیوں کا پروردہ ہر وہ شخص کرتا ہے جسے عربی آتی ہو۔ آپ نے اپنے آپ کو قرآن کریم کی ''مخصوص انداز'' میں خدمت کے لیے وقف کر لیا۔ مخصوص انداز سے مراد یہ ہے کہ تمام مفسرین سے ہٹ کر نئی راہ اختیار کی جائے کہ قرآن کریم کو محض لغت کی مدد سے سمجھا جائے۔ یہ لغت پرست مفسرین دراصل اس راستے سے قرآنی آیات کو وہ معنی پہنانا چاہتے تھے جس کی ان کو ضرورت محسوس ہو اگرچہ دوسری آیات یا احادیث، مفسرین صحابہ وتابعین کے اقوال اس کی قطعی نفی کرتے ہوں۔ درحقیقت قرآن سے ان حضرات کا تعلق، انکار حدیث پر پردہ ڈالنے کی کوشش ہوتا ہے جیسا کہ تمام منکرین حدیث

کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے اس عیب کو چھپانے کے لیے قرآن کریم سے بڑھ چڑھ کر تعلق اور شغف کا اظہار کسی نہ کسی بہانے کرتے رہتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہ وہی حیدر آباد ہے جہاں شاعر مشرق علامہ اقبال جیسے فاضل شخص کو محض اس لیے ملازمت نہ مل سکی کہ وہ مغرب دشمن شاعری کے مرتکب تھے لیکن فراہی صاحب پر لارڈ کرزن کا دست کرم تھا کہ حیدر آباد کی آغوش ان کے لیے خود بخود وا ہوگئی اور انہیں ایک بڑے ''علمی منصوبے'' کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ اس منصوبے نے جو برگ و بار لائے انہیں مسلمانان برصغیر بالخصوص آج کے دور کے اہالیان پاکستان خوب بھگت رہے ہیں۔ فراہی صاحب نے ''تفسیر نظام القرآن'' لکھی جس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ کتب خانوں میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی۔ علامہ شبلی نعمانی، فراہی صاحب کے بارے میں اس وقت شدید تحفظات کا شکار ہوگئے تھے جب ان کی بعض غیر مطبوعہ تحریر ''دارالمصنفین'' میں شائع ہونے کے لیے آئیں لیکن ان کی طباعت سے انکار کردیا گیا کہ زبردست فتنہ پھیلنے کا خطرہ ہے۔ فراہی صاحب اپنے پیچھے چند شاگرد، چند کتابیں اور بے شمار شکوک وشبہات چھوڑ کر ۱۹۳۰ء میں دنیا سے رخصت ہوگئے۔

امین اصلاحی

فراہی صاحب نے حیدر آباد سے منتقل ہونے کے بعد اعظم گڑھ کے ایک قصبے ''سرائے میر'' میں ''مدرسۃ الاصلاح'' نامی ادارہ قائم کیا۔ نام سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ تفسیر کے مسلمہ اصول کی اصلاح کر کے نئی جہتیں پیدا کرنا چاہتے تھے۔ آپ کے اس مدرسے میں ۱۹۲۲ء میں ایک نوجوان فارغ ہوا جو اساتذہ کا منظور نظر اور چہیتا تھا۔ فراہی صاحب نے اسے دعوت دی کہ وہ ان کے ساتھ مل کر ''قرآن کا مطالعہ'' کرے۔ یہ نوجوان آگے چل کر فراہی صاحب کا ممتاز ترین شاگرد اور ان کے نظریات وافکار کی اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ بنا۔ یہ جب مدرسۃ الاصلاح میں داخل ہوا تو امین احسن تھا، فارغ ہوا تو ''امین احسن اصلاحی'' بن چکا تھا۔ اس نے فراہی صاحب کی وفات کے بعد آپ کی یاد میں رسالہ ''الاصلاح'' جاری اور ''دائرہ حمیدیہ'' قائم کیا۔ اصلاحی صاحب انکار حدیث اور اجماع امت کا منکر ہونے کے علی الرغم جماعت اسلامی کے بانیوں میں سے تھے اور ایک عرصہ مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ ۱۹۵۸ء میں مودودی صاحب سے اختلافات کی بنا پر جماعت سے علیحدہ ہوئے اور وہی کام شروع کیا جو ان کے استاد فراہی صاحب نے آخری عمر میں کیا تھا۔ آپ نے ''حلقہ تدبر قرآن'' قائم کیا جس میں کالج کے طلبہ کو قرآن کریم اور عربی پڑھائی جاتی تھی۔

ساتھ ساتھ ''تدبر قرآن'' کے نام سے تفسیر لکھنے میں بھی کامیابی حاصل کی لیکن اسے مقبول کروانے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ فراہی صاحب بہر حال عالم فاضل شخص تھے لیکن اصلاحی صاحب اس پائے کے عالم نہ تھے۔ مغربی علوم تو کیا وہ شرعی علوم سے بھی کما حقہ، واقف نہ تھے۔ ان کی تفسیر میں کئی بچکانہ غلطیاں ہیں۔ اصلاحی صاحب ہفتہ وار درس بھی دیتے تھے۔ لیکن انکار حدیث، تجدد پسندی اور لغت پرستی نے انہیں اپنے پیش رو استاذ کی طرح کہیں کا بھی نہ چھوڑا تھا۔ آخر خالد سعود اور جاوید غامدی جیسے شاگرد تیار کر کے ۱۹۹۷ء میں اس دارِ فانی سے رخصت ہو گئے۔

محمد شفیق (جاوید احمد غامدی)

قیام پاکستان کے ابتدائی دور میں پاک پتن کے گاؤں میں ایک پیر پرست اور مزار گرویدہ قسم کا شخص رہتا تھا۔ جن کا نام محمد طفیل جنیدی تھا مزاروں والا خصوصی لباس، گلے میں مالائیں ڈالنا، ہاتھ میں کئی انگوٹھیاں پہننا اور لمبی لمبی زلفیں بغیر دھوئے تیل لگائے رکھنا اس کی پہچان تھی۔ ۱۸اپریل ۱۹۵۱ء کو اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ نام تو اس کا محمد شفیق تھا لیکن باپ کے مخصوص مزاج کی وجہ سے اس کا عرف کاکو شاہ پڑ گیا۔ یہ خاندان ککّے زئی کہلاتا تھا۔ اس طرح اس کا پورا عرفی نام ''کاکو شاہ ککّے زئی'' بنا۔ محمد شفیق عرف کاکو شاہ ککے زئی جب گاؤں کی تعلیم

کے بعد لاہور آیا تو اسے اپ ٹو ڈیٹ قسم کا نام رکھنے کی فکر لاحق ہوئی۔ اس نام کے ساتھ تو وہ ''لہوریوں'' کا سامنا نہ کرسکتا تھا۔ سوچ سوچ کر اسے ''جاوید احمد'' نام اچھا معلوم ہوا کہ ماڈرن بھی تھا اور رعب دار بھی۔ اس نے محمد شفیق سے تو جان چھڑالی اب ''کاکوشاہ ککے زئی'' کے لاحقے کا مسئلہ تھا جو کافی سنگین اور مضحکہ خیز تھا۔ لیکن فی الحال اسے اس کی خاص فکر نہ تھی۔ اس زمانے میں اس کا ایک قریبی دوست ہوتا تھا۔ ''جناب رفیق احمد چوہدری''۔ وہ ان دنوں اور اس روئیداد کے عینی گواہ ہیں۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد ۱۹۷۲ء کا دور تھا۔ کاکوشاہ لاہور گورنمنٹ کالج سے بی اے آنرز کرنے کے بعد معاشرے میں مقام بنانے کی جدوجہد کررہا تھا۔ اس کی انگریزی تو یوں ہی سی تھی لیکن قدرت نے اسے ایک صلاحیت سے خوب خوب نوازا تھا۔ وہ تھی طاقت لسانی۔ اس کے بل بوتے پر وہ تعلقات بنانے اور آگے بڑھنے کی سعی میں مصروف تھا۔ آخر کار اس کی جدوجہد رنگ لائی اور وہ اپنی چرب زبانی سے پنجاب کے ایڈمنسٹریٹر اوقاف جناب مختار گوندل کو متاثر کرکے اوقاف کے خرچ پر ۲۹ جے ماڈل ٹاؤن لاہور میں ''دائرۃ الفکر'' کے نام سے ایک تربیتی اور تحقیقی ادارہ کی داغ بیل ڈالنے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر جلد ہی قدرت نے اسے مولانا مودودی مرحوم کے سایہ عاطفت میں ڈال دیا تو جاوید احمد کو فوری طور پر جماعت اسلامی میں پذیرائی ملی۔ رکنیت مجلس

شوریٰ تو چھوٹی شے ہے، اس کے حواری اسے مولانا مودودی کا ''جانشین'' بتانے لگے۔ آخر کار جب جاوید احمد کو جماعت اسلامی سے ۱۹۵۷ء میں الگ ہونے والے مولانا امین اصلاحی سے روابط کا شوق مولانا کے قریب تر اور جماعت اسلامی سے مزید دور لے جانے کا باعث بنا۔ تو آہستہ آہستہ وہ جاوید احمد سے جاوید احمد غامدی ہوگیا۔ اس لقب کی جناب ''جاوید احمد غامدی صاحب'' دو چار وجوہات بیان کرتے ہیں اور صحیح ایک کو بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ حال ہی میں ان کے ایک شاگرد خاص نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ ''اصل میں وہ اصلاحی صاحب سے عقیدت کی وجہ سے اصلاحی لقب رکھنا چاہتے تھے لیکن ''مدرسۃ الاصلاح'' سے فارغ نہ تھے۔ اس لیے غامدی نام رکھ لیا۔'' ''سبحان اللہ''۔ چھوٹے میاں کو یہ بھی نہیں پتہ کہ غامدی نہ اصلاحی کے ہم وزن ہے نہ ہم معنیٰ! آخر کس طرح اصلاحی سے غامدی تک چھلانگ لگا دی گئی؟ گویا یہ پانچویں وجہ بھی عارہی عار ہے اور پورا مکتب فکر مل کر اپنے بانی کے نام کی درست توجیہ کرنے سے قاصر ہے۔

۲۰۰۱ء سے قبل غامدی کی تحریک پروان چڑھ رہی تھی لیکن اسے کسی لارڈ کرزن کی سرپرستی دستیاب نہ تھی۔ ۲۰۰۱ء میں یہ کمی بھی پوری ہوگئی اور ان کے سر پر عصر حاضر کے لارڈ کرزن کا دست شفقت کچھ ایسا جم کر ٹکا کہ وہ شخص جس کا دینی

اور مذہبی علم کسی با قاعدہ مسلمہ دینی درس گاہ کا مرہون منت نہیں، بلکہ اس کا علم جنگلی گھاس کی طرح خودرو ہے، اور ان کی عقل وفہم کسی مسلمہ ضابطہ کی پابند نہیں، جو عربی کی دوسطریں سیدھی نہیں لکھ سکتا، جو انگریزی کی چار نظموں اور چار مصرعوں کی پونجی میں آدھے سے زیادہ مصرع چوری کر کے ٹانکتا ہے، جس کی اکثر اردو تحریریں سرقہ بازی کا نتیجہ ہے، وہ آج ملک کا مشہور ومعروف اسکالر ہے اور اس کا فرمایا ہوا مستند سمجھا جاتا ہے ''ککے زئی سے غامدی تک'' کے سفر کی روداد عبرت ناک بھی اور الم ناک بھی۔ سچ ہے استاذ اپنے شاگردوں سے ہی پہچانا جاتا ہے اور شاگرد اپنے استاذ کی پہچان کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ''فراہی سے اصلاحی اور اصلاحی سے غامدی تک'' استاذی شاگردی کا سلسلہ اس مقولے کی صداقت کے لیے کافی سے زیادہ شافی ہے،

''بڑے میاں تو بڑے چھوٹے میاں سبحان اللہ''

غامدی صاحب کے متعلق اوپر جو باتیں لکھی گئیں یقیناً یہ ان کے بہت سے محبین کے لیے نئی ہوں گی، مگر ایسا ہوتا ہے جو لوگ اسلام اور مسلمانوں کے عقائد ونظریات، قرآن وسنت، اجماع امت اور دین ومذہب کو بگاڑنے، اکابر واسلافِ امت کے خلاف بغاوت کرنے اور ان کے خلاف زبان درازی کرنے کی ہمت رکھتے ہوں، وہ دنیا بھر کی اسلام دشمن قوتوں اور مذہب بیزار لابیوں

کے منظور نظر بن جاتے ہیں، ان کے تمام عیوب ونقائص نہ صرف چھپ جاتے ہیں بلکہ اعدائے اسلام ان کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کو اپنا فرض اور اعزاز سمجھتے ہیں اور ان کی حمایت وسرپرستی کے لیے اپنے اسباب، وسائل، مال ودولت اور خزانوں کے منہ کھول دیتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ نظری، بصری میڈیا کے ذریعے ان کا ایسا تعارف کرایا جاتا ہے کہ دنیا ان کے نام نہاد علمی شوکت وصولت کے سامنے ڈھیر ہوجاتی ہے۔ جس طرح آج سے ایک صدی پیشتر ضلع گورداس پور کی بستی قادیان کے میٹرک فیل اور مخبوط الحواس انسان غلام احمد قادیانی کو استعمار نے اٹھایا، اس کی سرپرستی کی اور اس سے دعویٰ نبوت کرایا، ٹھیک اسی طرح دورِ حاضر کے نام نہاد اسکالر جاوید احمد غامدی کا قضیہ ہے، جس طرح غلام احمد قادیانی کا کوئی پس منظر نہیں تھا اور اس میں اس کے سوا کوئی کمال نہیں تھا کہ اس نے مسلمانوں کے قرآن کے مقابلہ میں نیا قرآن، مسلمانوں کے دین کے مقابلہ میں نیا دین اور مسلمانوں کے نبی کے مقابلہ میں نئی نبوت کا اعلان کیا، جہاد جیسے دائمی فریضہ کو حرام قرار دیا اور حیات ونزول عیسیٰ علیہ السلام کے قطعی عقیدہ کا انکار کیا، ٹھیک اسی طرح جناب جاوید احمد غامدی صاحب بھی دین اسلام کے مقابلہ میں نئے ترمیم شدہ دین اور مذہب کی ایجاد کی کوشش میں ہیں اور انہوں نے بھی اپنے پیش رووں کی طرح منصوص دینی

مسلمات کے انکار پر کمر ہمت باندھی ہوئی ہے (بحوالہ فیسبک روحانی ٹاپس)

جاوید احمد غامدی کے معتقدین نے خود ان کا تعارف اور پیدائش کے بعد تعلیم وتعلم کو اس طرح بیان کیا ہے۔

جاوید احمد غامدی کی پیدائش ۱۸ اپریل ۱۹۵۱ء کو ضلع ساہیوال کے ایک گاؤں ''جیون شاہ'' کے نواح میں ہوئی۔ آبائی گاؤں قصبہ داؤد ہے اور آبائی پیشہ زمینداری ہے۔ ابتدائی تعلیم پاک پتن اور اس کے نواحی دیہات میں پائی۔ اسلامیہ ہائی سکول پاک پتن سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور اس کے ساتھ انگریزی ادبیات میں آنرز (حصہ اول) کا امتحان پاس کیا۔ عربی وفارسی کی ابتدائی تعلیم ضلع ساہیوال ہی کے ایک گاؤں ''ناگ پال'' میں مولوی نور احمد صاحب سے حاصل کی۔ دینی علوم قدیم طریقے کے مطابق مختلف اساتذہ سے پڑھے۔ قرآن وحدیث کے علوم ومعارف میں برسوں ''مدرسہ فراہی'' کے جلیل القدر عالم اور محقق امام امین اصلاحی سے شرف تلمذ حاصل رہا۔ ان کے دادا ''نور الٰہی'' کو لوگ گاؤں کا مصلح کہتے تھے۔ اسی لفظ کی تعریب سے اپنے لیے غامدی کی نسبت اختیار کی اور اب اسی رعایت سے جاوید احمد غامدی کہلاتے ہیں (دانش سرا، المورد، ماہنامہ)

جاوید احمد غامدی پاکستان سے تعلق رکھنے والے مدرسہ فراہی کے معروف عالم

دین شاعر مصلح فقیہ العصر اور قومی دانشور ہیں (بحوالہ وکی پیڈیا)

نوٹ: مجھے اپنے مضمون کو آگے بڑھانے کے لیے جاوید غامدی صاحب سے متعلق ان کے ابتدائی احوال تلاش کرنے میں کافی محنت کرنی پڑی یہاں تک کہ فیسبک ٹائپس پر مجھے ایک مضمون ملا جو میں نے پہلی قسط میں شائع کرا دیا مجھے آگے چل کر غامدی صاحب کے منشور پر کچھ لکھنا ہے یہ سب کچھ بطور تمہید ہے۔

غامدی صاحب کے ہاں پوری امت میں صرف دو ہی علماء ان کے ممدوح ہیں جن کو وہ آسمان کا درجہ دیتے ہیں باقی تمام علماء امت کو وہ خاک کے برابر قرار دیتے ہیں چنانچہ وہ اپنی کتاب ''مقامات'' میں خود لکھتے ہیں ''میں نے بھی بہت عالم دیکھے ہیں، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا لیکن امین اصلاحی اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ

؎ غالب نکتہ دان سے کیا نسبت ☆ خاک کو آسمان سے کیا نسبت

(مقامات ص:۵۷)

ملک وملت کے غدار پرویز مشرف کے دور حکومت میں غامدی صاحب کو بڑی پذیرائی ملی اور وہ اسلامی نظریاتی کونسل تک پہنچ گئے اس موقع پر نوائے وقت اخبار نے اپنے اداریہ میں غامدی صاحب پر کچھ تبصرہ کیا ہے وہ ملاحظہ ہو روزنامہ نوائے وقت لاہور کا اداریہ نگار لکھتا ہے:

اسلامی نظریاتی کونسل کی رکنیت ایک منافع بخش نوکری ہے مگر ایسی بھی نہیں کہ اس کے لیے علامہ جاوید غامدی قرآن حکیم اور اسلامیات کی تعلیم کو فرقہ واریت، مذہبی انتہاء پسندی اور ملائیت سے تعبیر کرنے لگیں۔

علامہ جاوید غامدی کو اپنی لسانی اور علمی صلاحیتوں کو محض سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے ہر روز ٹی وی مباحثوں میں نئی نئی اختراعات کرنے اور حاکموں کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس دین اور علم کی جڑیں نہیں کاٹنی چاہیے جس کی وجہ سے انہیں یہ عزت حاصل ہے علامہ صاحب کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ علماء حق کبھی حکومتوں کی حمایت میں اس قدر سرگرم اور پرجوش نہیں ہوا کرتے،

خواتین کی جھرمٹ میں بیٹھ کر ٹی وی چینلز کی چکا چوند روشنیوں میں اسلام کی یہ بخیہ گری کم از کم علامہ جاوید غامدی کو زیب نہیں دیتی

(روزنامہ نوائے وقت لاہور کا ادارتی شذرہ مؤرخہ ۵ جون ۲۰۰۶ئ بحوالہ غامدی مذہب کیا ہے ص:۱۷)

علامہ غامدی کی ظاہری شکل

جاوید غامدی صاحب سے متعلق مضمون کو آگے بڑھانے سے پہلے بطور جملہ معترضہ ریکارڈ درست رکھنے کے لیے اتنا عرض ہے کہ غامدی صاحب کی ظاہری شکل اور ظاہری نقشہ اس طرح ہے کہ ان صاحب کی ڈاڑھی نہیں ہے اس کے سر

کے بال انگریزی ہے اس کے پورے بدن پر پاؤں سے لیکر سر تک اسلامی شعار اور زہد وتقویٰ کی کوئی نشانی نظر نہیں آتی ہے اکثر و بیشتر آزاد منش عورتوں کی جھرمٹ میں نظر آتے ہیں اور ٹی وی چینلوں میں گھومتے پھرتے ہیں۔

ہندوستان کے ایک ملحد زندیق شخص وحید الدین خان سے غامدی صاحب کے گہرے تعلقات ہیں پاکستان میں جب تک غدار وطن اور غدار دین پرویز مشرف کی حکومت تھی غامدی صاحب ان کے سائے تلے پھلتے پھولتے رہے جب پرویز کی حکومت ختم ہوگئی غامدی صاحب نے ملائیشیا کا رخ کیا اور وہاں سکونت اختیار کی۔

یہ تو غامدی صاحب کا ظاہری وضع قطع اور ظاہری نقشہ ہے اور اس شخص کا باطنی نقشہ ان شاء اللہ ان کی زبانی اور ان کی تحریرات اور تصنیفات کے آئینہ میں قارئین آیندہ دیکھ لیں گے میرے پاس تقریباً دس سال سے غامدی صاحب کی تحریک کا ''منشور'' [illegible]ط پڑا ہوا ہے میں اسی سے چند دفعات کو سامعین کے سامنے رکھوں گا اگرچہ آج کل غامدی کے نظریات اتنے کھل کر علماء اور عوام کے سامنے آگئے ہیں کہ اب اس کے منشور کے مندرجات میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہی ہے تاہم منشور کی الگ شان ہوتی ہے اور اس میں پوشیدہ راز اب بھی بہت ہیں غامدی سے متعلق بہت ساری کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں ان کے غلط نظریات کو اجاگر کیا

گیا ہے اور خوب جوابات دیئے گئے ہیں ان کتابوں میں پروفیسر مولانا محمد رفیق صاحب کی کتاب بہت عمدہ ہے ان کتابوں کے شائع ہونے کے بعد کسی تحریر اور تردید کی ضرورت نہیں ہے لیکن میرے ذھن میں جو کچھ سوچ اور ارادہ ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان کے عوام اور علماء غامدی صاحب کے سیاق وسباق کو پہچان سکیں اور یہ جان سکیں کہ اسلام کے خلاف غامدی فتنہ آج کا نہیں بلکہ دین اسلام کے خلاف شروع دن سے ایک لاوا پھٹ پڑا ہے جو مسلسل بہہ رہا ہے اور غامدی جیسے لوگ اس میں شامل ہو رہے ہیں۔

یہ ایک طویل دورانیہ ہے جو دور نبوت سے دین مقدس کے بدخواہوں نے اسلام کے لبادے میں آکر اسلام کے مقدس وجود پر ظالمانہ خنجر چلائے ہیں اور اسلام کے معصوم چہرے پر اپنی باطنی غلاظت پھینکنے کی کوشش کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ مقدس دین قیامت تک باقی رہنے کے لیے آیا ہے کسی بد باطن کی بدخواہی سے یہ ختم نہیں ہوسکتا البتہ بدخواہ خود ختم ہو گئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے {یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون}

یعنی یہ بدخواہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے نور کو اپنے زبانوں سے بجھادیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنے دین کے اس نور کو مکمل کرنے والے ہیں اگرچہ بدخواہ کافر اس کو پسند نہ کریں گویا شاعر نے اسی طرح کے موقع پر کہا ہے

حاسد حسد کی ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

آگ میں خود ہی جلا کرے ☆ وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

ذرا سوچئے کہ نبوت کے جھوٹے دعویدار اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کا انجام کیا ہوا جو بڑے شوق سے مقفیٰ اور مسجع جملے بنا بنا کر اسلام کے خلاف زہر اگلتے رہے کعب بن اشرف یہودی اور عبداللہ بن ابی بن سلول کا کیا حشر ہوا جو اسلام کے معصوم چہرے پر ہر وقت اپنے نجس لعاب پھینکتے رہے اور اسلام کے روشن چراغ کو بجھانے کے لیے گندی پھونک پھونکتے رہے کسی نے سچ کہا ہے

ــــــــ نورِ خدا کفر کی حرکت پہ خندہ زن ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ذرا معتزلہ اور خوارج کے فتنوں پر نظر ڈالیے جس نے صدیوں تک اسلام کو پریشان کر رکھا تھا آخر کیا ہوئے اور کہاں گئے خود ختم ہو گئے اور اسلام زندہ تابندہ موجود ہے۔ اسلام کے خلاف جھمیه، مرجئه ، کرامیہ فلاسفہ اور قرامطہ، سوفسطائیہ، لاادریہ اور باطنیہ نے کتنے طویل عرصہ تک فتنے کھڑے کئے اور سازشیں کیں، آخر کہاں گئے ان کے نام ونشان باقی نہیں ہے۔

غامدی صاحب کا فتنہ تو ان کے فتنوں کے سامنے ایک نومولود بچہ ہے۔

ذرا غلام احمد قادیانی کے فتنے کو سوچئے پوری دنیائے کفر اس کی پشت پر کھڑی تھی

اور تحریرات وتقریرات اور تصنیفات کے حوالہ سے علمی میدان میں میرے خیال میں شاید کسی فتنہ کے لیے اتنا بڑا کام نہیں ہوا ہوگا لیکن {جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا} کا جب ظہور ہوگیا تو حق کے سامنے یہ باطل سسک سسک کر مر گیا اوراس کے باطل عمارت کے پُرزے فضاؤں میں اڑ گئے اس فتنہ کے مقابلہ میں غامدی صاحب کا فتنہ تو مکڑی کا جالا ہے جو ہوا کے ایک جھونکے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکے گا۔

فری میسن کے سربراہ سرسید احمد خان کے فتنے کا ذرا مطالعہ کیجئے انگریز کی چھتری کے سائے تلے وفادار بلبل کی طرح کیسے چہک رہا تھا علماء حق کو گالیاں دیتا تھا اور احادیث مقدسہ کو اپنی عقل نارسا کے ترازو پر تول کر انکار کیا کرتا تھا قرآن عظیم میں تحریف کرتا تھا اور معجزات کا انکار کرتا تھا کچھ بتادو کیا اسلام کا کوئی حکم اس کے کہنے سے مٹ گیا یا موقوف ہوگیا؟ البتہ ماؤف ذہن اور مشکوک احساسات کے حاملین منافقین ان کے جال میں پھنس گئے جن کا مقدر یہی تھا بہرحال سرسید احمد خان برصغیر میں انگریزوں کی طرف سے دین کے بگاڑنے کے لیے ''بادشاہ'' مقرر کیا گیا تھا جب وہ کچھ نہ کر سکا تو غامدی صاحب بیچارے کیا کر سکے گا ہاں تشویش اور نزاعات کا میدان گرم کردیگا۔

غلام احمد پرویز صاحب عبداللہ چکڑالوی صاحب علامہ عنایت اللہ مشرقی

صاحب کے فتنوں کو دیکھ لیجئے ہر ایک نے انتہائی فصاحت وبلاغت کی تحریرات کے ذریعہ سے اور غضب کی تقریرات کے ذریعہ سے اسلام کے بلند جھنڈے کو سرنگون کرنے کی کوشش کی آخر سب کے سب خود سرنگوں ہو گئے بہائی فرقہ کو دیکھ لیجئے ذکری فتنہ کو دیکھ لیجئے بلکہ ان تمام فتنوں سے بڑے فتنے کو بھی یاد کیجئے کہ مغل اعظم اکبر بادشاہ نے دین الٰہی کے نام سے دین اکبری بنایا تھا کیا اس عظیم فتنہ کے سامنے علماء حق سد سکندری کی طرح کھڑے نہیں ہوئے اور کیا وہ فتنہ اپنے برے انجام پر جا کر ختم نہیں ہوا؟

ہاں البتہ وقتی طور پر کچھ بد بخت سیاہ کار ان فتنوں کا شکار ہو گئے لیکن میرے خیال میں زیادہ تر ان فتنوں کے شکار وہ لوگ ہو گئے جن کا تعلق سرمایہ دار جاگیردار اور متکبر طبقات سے تھا جو ایک غریب مولوی کے بتائے ہوئے دین کو غریب سمجھتے تھے اور اس پر چلنے کو عار سمجھتے تھے چنانچہ ایک حد تک میرا تجربہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لینڈ لارڈ چوھدریوں وڈیروں نوابوں سرداروں اور خوانین کو عموماً اصلی دین نصیب نہیں فرماتا تو وہ اس طرح ماڈرن دین میں آکر پھنس جاتے ہیں غامدی فتنے کا شکار لوگ بھی زیادہ تر یہی فیشن زدہ روشن خیال آزاد منش لوگ ہیں جو دین میں نئی تحقیق نکالنے والے دانشوروں اور چٹکلے چھوڑنے والے فلاسفروں اور عقلی گھوڑے دوڑانے والے اسکالروں کو پسند کرتے ہیں۔

حکایت: امام مسلم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کے مقدمہ میں صفحہ ۱۷ پر ایک قصہ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرو بن عبید بصری متوفی ۱۴۳ھ مشہور معتزلہ میں سے تھا بصرہ میں حدیث کا درس بھی دیا کرتا تھا ان کے نظریات غلط تھے جس کو وہ پھیلایا کرتا تھا بصرہ میں جرح وتعدیل کے امام بڑے محدث ایوب سختیانی رحمہ اللہ بھی درس حدیث دیا کرتے تھے ان کے درس کے وسیع حلقہ میں علم حدیث سیکھنے والے مختلف لوگ آ کر بیٹھتے تھے اس درس کے طلباء میں سے ایک طالب علم کچھ عرصہ تک ایوب سختیانی رحمہ اللہ کے پاس پڑھتا رہا پھر غائب ہو گیا شیخ ایوب سختیانیؒ اس کو پہچان چکے تھے تو ایک دن طلبہ سے پوچھا کہ وہ طالب علم کہاں چلا گیا؟ طلبہ نے جواب دیا کہ وہ تو عمرو بن عبید معتزلی کے درس میں جا کر بیٹھنے لگا ہے شیخ حماد جو اس قصہ کے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اپنے شیخ ایوب سختیانیؒ کے ساتھ سویرے سویرے بازار چلا گیا تو اچانک سامنے سے وہ طالب علم آ گیا شیخ ایوب سختیانی نے اس کو سلام کیا اور خیر خیریت معلوم کی اور پھر ان سے پوچھا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عمرو بن عبید کے درس میں جا کر بیٹھنے لگے ہو؟ اس طالب علم نے جواب میں کہا کہ جی ہاں استاذ جی میں اس لیے ان کے درس میں بیٹھنے لگا ہوں کہ وہ ہم سے عجیب عجیب باتیں بیان کرتا رہتا ہے یعنی نہایت دلچسپ اور عجیب وغریب باتیں بیان کرتا رہتا ہے۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہم تو اسی طرح کی عجیب باتوں سے ڈر کر دور بھاگتے ہیں۔

اس قصہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ آج کل کے روشن خیال، جدت پسند اور ماڈرن قسم کے لوگ بھی پرانے جدت پسند لوگوں کی طرح چٹکلوں والا ماڈرن دین چاہتے ہیں تو وہ مسجدوں کے بجائے ہوٹلوں کلبوں اور ٹی وی لاؤنج کا رخ کرتے ہیں جس میں ان کو غامدی جیسے روشن خیال مجتہد مل جاتا ہے جو اپنے غلط اجتہادات سے ان کو غلط راستے پر ڈال دیتا ہے چٹکلے بتاتا ہے نکتہ دانی سکھاتا ہے لفاظی اور چرب لسانی اور شعبدہ بازی کی جادوگری میں ان کو گھیر لیتا ہے اور تحقیق کے خوشنما اور دبیز پردوں میں گمراہی لپیٹ کر ان کو تھما دیتا ہے ان کے مال کو بھی لوٹ لیتا ہے اور اسلامی عقیدہ کو بھی بگاڑ کر رکھ دیتا ہے یہ بیچارے لوگ اپنے پرانے دین سے بھی بیزار ہو جاتے ہیں اور نئے دین میں بھی ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا حالانکہ ایک ہوشیار شاعر نے ان کو سمجھانے کے لیے کہا تھا

؎ اپنی مٹی پہ ہی چلنے کا سلیقہ سیکھو سنگِ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

مضمون نگاری کا فتنہ

{والشعراء يتبعهم الغاؤن الم تر انهم في كل واد يهيمون وانهم يقولون ما لا يفعلون} (سورۃ شعراء آخری تین آیات)

ترجمہ: اور شاعروں کی اتباع وہی لوگ کرتے ہیں جو گمراہ ہیں کیا تو نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔

علامہ شبیر احمد عثمانی ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شاعری کی باتیں محض تخیلات ہوتی ہیں تحقیق سے ان کو لگاؤ نہیں ہوتا اس لیے اس کی باتوں سے بجز گرمی محفل یا وقتی جوش اور واہ واہ کے کسی کو مستقل ہدایت نہیں ہوتی، یعنی شاعروں نے جس مضمون کو پکڑ لیا اسی کو بڑھاتے چلے گئے کسی کی تعریف کی تو آسمان پر چڑھا دیا، مذمت کی تو ساری دنیا کے عیب اس میں جمع کر دیے موجود کو معدوم اور معدوم کو موجود ثابت کرنا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے غرض جھوٹ مبالغہ اور تخیل کے جس جنگل میں نکل گئے پھر مڑ کر نہیں دیکھا ان کے شعر پڑھو تو معلوم ہو کہ رستم سے زیادہ بہادر اور شیر سے زیادہ دلیر ہوں گے اور جا کر ملو تو پرلے درجے کے نامرد اور ڈرپوک، کبھی دیکھو تو ہٹے کٹے ہیں اور اشعار پڑھو تو خیال ہو کہ نبضیں ساقط ہو چکیں ''ہیں'' قبضِ روح کا انتظار ہے (تفسیر عثمانی ص: ۵۰۲)

میں نے ان آیات اور اس کی تفسیر کو صرف شعراء کو پیش نظر رکھ کر پیش نہیں کیا بلکہ میرے پیش نظر بشمولِ شعراء زبان کے وہ سارے پہلوان اور قلم کے وہ سارے

شہسوار ہیں جو اپنے زور قلم اور الفاظ کی بازیگری اور مضمون نگاری کے بل بوتے پر اسلام جیسے مقدس مذہب پر زور آزمائی کرتے ہیں اور دین اسلام کے احکامات کو تختۂ مشق بناتے رہتے ہیں جن میں سے اس وقت میرے نزدیک سر فہرست اور موضوع بحث جاوید احمد غامدی صاحب ہے جو بیک وقت شاعر بھی ہے اور دانشور مضمون نگار صاحب قلم بھی ہے شاعر نظم کی صورت میں اور دانشور نثر کی صورت میں الفاظ کی زور آزمائی کرتے ہیں زبان کی لفاظی میں دونوں ایک ہی میدان کے شہسوار ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں دور اول کے چند دانشوروں کا نمونہ پیش کروں جنہوں نے زور زباں سے شرعی احکامات کا انکار کیا اور بارگاہِ نبوت سے ان کو شعبدہ باز کا لقب ملا اور ڈانٹا گیا مشکوۃ شریف میں باب الدیات کی فصل ثالث کی آخری حدیث کی عربی عبارت اور ترجمہ ملاحظہ ہو :

وعن سعید بن المسیب علیہ الرحمۃ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ قَضٰی فِی الۡجَنِیۡنِ یُقۡتَلُ فِیۡ بَطۡنِ اُمِّہٖ بِغُرَّۃٍ عَبۡدٍ اَوۡ وَلِیۡدَۃٍ فَقَالَ الَّذِیۡ قَضٰی عَلَیۡہِ کَیۡفَ اَغۡرَمُ مَنۡ لَّا شَرِبَ وَلَا اَکَلَ وَلَا نَطَقَ وَلَا اِسۡتَھَلَّ وَمِثۡلُ ذَالِکَ یُطَلُّ فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا ھٰذَا مِنۡ اِخۡوَانِ الۡکُھَّانِ (رواہ مالک مرسلا و رواہ ابو داؤد عن ابی ھریرۃ متصلا)

حضرت سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ کے اس بچہ کی دیت جو مارا جائے ایک غرہ یعنی ایک غلام یا ایک لونڈی مقرر فرمائی جس شخص پر یہ دیت واجب کی گئی تھی اس نے کہا کہ میں اس شخص کا تاوان کیسے بھروں جس نے نہ کچھ پیا ہو نہ کھایا ہو نہ کوئی بات کی ہو اور نہ چلّایا ہو اس قسم کا قتل تو ساقط کیا جاتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پکی بات ہے کہ یہ شخص کاہنوں کا بھائی ہے۔

''الکھان'' یہ کاھن کی جمع ہے کاہن اس شخص کو کہتے ہیں جو غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے اور مستقبل کی غلط سلط باتوں کو الفاظ کے دبیز پیرایہ میں خوبصورت مسجع صورت میں پیش کرتا ہے تاکہ لفاظی کی شعبدہ بازی سے لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف مائل کردے اور شریعت کے خلاف اپنے باطل نظریات کو رائج کردے۔

ذرا غور کیجئے! اس شخص نے الفاظ کی سجاوٹ اور قافیہ کی بناوٹ کی غرض سے کتنا تکلف کیا کہ ''اکل'' پر ''شرب'' کو مقدم کیا حالانکہ طبعی کلام میں اکل مقدم ہوتا ہے پھر نطق کو استھل پر سجع کی غرض سے مقدم کیا حالانکہ طبعی کلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے پھر آخر میں یطل کو سجع کی غرض سے فٹ کیا اور شریعت کے ایک مقرر حکم کو باطل ٹھہرایا اور جاہلیت کے دستور کے مطابق جنین کی دیت کا انکار کیا اور الفاظ کے زور پر فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کیا تاکہ شریعت کا حکم مسترد

ہو جائے۔

غامدی صاحب کا بھی یہی وطیرہ ہے الفاظ کے ہیر پھیر اور جوڑ توڑ میں کسی مسئلہ میں اتنی گہرائی میں چلا جاتا ہے کہ سطحی نظر میں آدمی مرعوب ہو جاتا ہے میں خود مانتا ہوں کہ غامدی صاحب کے الفاظ کا جوڑ توڑ اور تحقیق کی گہرائی اپنی نظیر آپ ہے لیکن کاش اس کے قلم کا رخ باطل کی طرف ہوتا کیا یہ ان کی بدبختی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو قوت گویائی عطا فرمائی اس کو صاحب قلم اور دانشور بنایا جب یہ لکھنے بولنے کا قابل ہوا تو اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کے خلاف لکھنا شروع کر دیا میں ان سے پوچھتا ہوں کہ تم نے اپنے منشور کی پیشانی پر لکھا ہے ہمارا منشور اعلانِ جنگ ہے دورِ حاضر کے خلاف'' اب آپ ذرا بتائیں کہ دور حاضر میں کیا اس دھرتی پر یہود ونصاریٰ اور ہندو و پارسی نہیں رہتے کیا اس دنیا میں اہل باطل میں سے قادیانی آغا خانی ذکری و بہائی شیعہ روافض اور اہل بدعت نہیں رہتے کیا تم نے ان کے خلاف کبھی کوئی مقالہ لکھا ہے؟ اس کے برعکس تم نے دین اسلام کے ایک ایک حکم کے خلاف زہر افشانی کی ہے کیا دور حاضر صرف اسلام ہے؟ جس کے خلاف تم جنگ کے لیے میدان میں اتر آئے ہو؟ اس دانشوری اور اس پروفیسری اور اس مقالہ نگاری اور اس مضمون نگاری سے تو یہ بہتر تھا کہ جاوید غامدی ان پڑھ اور بے علم ہوتا اور صرف دین کے

احکام پر عمل کرتا تم نے جو غلط لکھا ہے اس کے بارے میں تم سے پوچھ ہوگی اگر تو نہ لکھتا تو نہ لکھنے کا تجھ سے سوال نہ ہوتا اس لکھنے سے تو بہتر تھا کہ تیرے ہاتھ شل ہوتے تیرا قلم ٹوٹ جاتا تیری آنکھیں اندھی ہو جاتیں اور تیری زبان گنگ ہوتی تاکہ اسلام کے خلاف غلط زہر افشانی کے عذاب سے تو بچ جاتا۔ تجھے دنیا میں تنقید کرنے کے لیے اگر کوئی ملا تو وہ صرف فقہاء کرام اولیاء عظام مفسرین کرام مجاہدین عظام ملے؟ تم کہتے ہو کہ دیوبند کا دور ختم ہو گیا فقہاء کا دور نہیں رہا جہاد کا دور نہیں رہا دیت کا دور نہیں رہا حدود و تعزیرات کے نفاذ کا دور نہیں رہا اگر واقعی ایسا ہے تو تم بتاؤ کہ آج کل کس چیز کا دور ہے کیا آپ کوئی نئی شریعت لائے ہو اگر کچھ ہے تو اس کو سامنے لا کر دکھا دو یا کوئی نئی نبوت لائے ہو تو اس کو سامنے لا کر بتا دو؟ اگر ایسا نہیں ہے تو میں پھر وہی بات دہراتا ہوں کہ کاش تو اندھا لنگڑا لولا ہوتا ان پڑھ ہوتا تو غلط لکھنے کا وبال تیرے سر پر نہ ہوتا تم دانشور اور صاحب قلم کیا ہوئے کہ آسمانوں پر مچلنے لگے۔

؎ اتنا نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت ☆ دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

فصاحت و بلاغت کی دنیا میں فن ادبِ عربی کے ماہرین میں ابو العلاء المعری ایک قادر الکلام ادیب گزرے ہیں ان کو اپنی فصاحت پر اتنا ناز تھا کہ خود سوچنے لگا کہ کیا میں قرآن عظیم کے مقابلہ میں کوئی کلام بنا سکتا ہوں یا نہیں؟ اس سوچ کی

وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سے قوت گویائی چھین لی اور ان کا سابقہ ولاحقہ سارا کلام ساقط الاعتبار ہو کر رہ گیا وہ عام سادہ عربی بولنے میں فحش غلطیاں کرنے لگا۔ ابو العلاء المعری کو جب اللہ تعالیٰ نے قوت گویائی اور تحریر وتقریر کا ملکہ دیا تو ان کو چاہیے تھا کہ اس قوت کو دین اسلام کی حمایت میں صرف کرتا اور اعداء دین سے مقابلہ کر کے دفاع اسلام کے لیے کام کرتا اس نے ایسا نہیں کیا بلکہ اسلام کے خلاف مورچہ سنبھال لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے اس کی استعداد ہی چھین لی غامدی صاحب کو بھی سوچنا چاہیے کہ اس کی زبانی اور قلمی استعداد کہیں اسلام کے خلاف تو استعمال نہیں ہو رہی ہے۔

ان کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ ان کے ارد گرد کے حالات اور کیفیات ان کو بھلائی کی طرف لے جا رہی ہیں یا تباہی کی طرف دھکیل رہی ہیں مشکوۃ شریف کتاب الایمان ص؛ ۱۳ پر ایک حدیث ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم يوذينی ابن ادم يسب الدهر وانا الدهر بيدی الامر اقلب الليل والنهار (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان مجھے ایذا پہنچاتا ہے وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے اور زمانے کی الٹ پلٹ

میرے ہاتھ میں ہیں دن رات کالانا میرا کام ہے۔
مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اس کو قوت گویائی عطافرمائی جوانی دی زبان دی طاقت گفتار دی جب وہ بولنے پر آیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایذا رسانی کا معاملہ کیا اور زمانہ کو گالی دینے لگا حالانکہ زمانہ کے پیچھے تمام تصرفات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے تو گویا بالواسطہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کو گالی دینے کا مرتکب ہوا یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک آدمی زمانہ کی برائی بیان کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ایذارسانی کا سبب بنتا ہے تو جو شخص براہ راست اللہ تعالیٰ کے حکم پر بار بار حملے کرتا ہے وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کو کس قدر ایذا پہنچاتا ہے اور کس قدر بے ادبی اور گستاخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو قیامت تک کے لیے اتارا ہے اور غامدی صاحب اس میں تقسیم شروع کر دیتا ہے کہ یہ حکم اتنی مدت کے لیے ہے وہ حکم اتنی مدت کے لیے تھا ارے ظالم! تیرے پاس کونسی حدیث ہے یا کونسی وحی ہے کہ ارتداد کی سزا صرف بنی اسماعیل کے ساتھ خاص تھی اور اب یہ سزا ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی ہے اب اگر کوئی شخص مرتد ہو جاتا ہے تو اس کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو قیامت تک امت کے لیے ضابطہ مقرر فرما کر اعلان فرماتے ہیں کہ: ''من بدل دینه فاقتلوه''۔ جو کوئی دین اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائے اس کو قتل کر دو، نبی کا فرمان ہے کہ اس کو قتل کر دو صحابہ کا اجماع

ہے کہ اس کو قتل کردو فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ اس کو قتل کردو علمائے امت کا فیصلہ ہے کہ اس کو قتل کردو اور غامدی صاحب قرآن وحدیث اجماع صحابہ واجماع فقہاء وعلماء کے مقابلے میں آکر کافروں کو خوش کرنے کے لیے کہتا ہے کہ یہ سزا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی ہے اور مرتد کو کوئی یہ سزا نہیں دے سکتا ہے اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اگر غامدی صاحب ان پڑھ ہوتا جاہل ہوتا یا اندھا لنگڑا لولا ہوتا اس کی انگلیاں کٹی ہوئی ہوتیں اس کا قلم ٹوٹا ہوا ہوتا تو یہ اس کے حق میں بہت بہتر تھا کیونکہ نہ لکھتا تو کوئی مؤاخذہ نہ ہوتا غلط لکھا ہے تو مؤاخذہ ہوگا سوال ہوگا پوچھ گچھ ہوگی اس پر دلیل یہ ہے کہ مشکوۃ شریف ص: ۲۳ باب الایمان بالقدر میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث منقول ہے فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے تقدیر سے متعلق کوئی بھی بات کی تو قیامت میں اس سے سوال ہوگا اور جس نے تقدیر سے متعلق کوئی بات نہیں کی اس سے کوئی سوال نہیں ہوگا (مشکوۃ: ۲۳)

زبان وقلم کو بے جا استعمال کرنے کی یہ وعید صرف غامدی صاحب کے لیے نہیں بلکہ ان کے پیشروان تمام دانشوروں اور مقالہ نگاروں کے لیے ہے جن کے قلم اور زبان سے اسلام کے خلاف زہر اگلتا رہا ہے اور یہ وعید غامدی صاحب کے ان پیرؤوں اور شاگردوں کے لیے بھی ہے جو دانشوری اور مقالہ نگاری کے شوق میں

قدم بقدم غامدی صاحب کے نقش قدم پر چل پڑے ہیں جن میں چند نو وارد اور نو عمر نوجوان ہیں جن کو شاید یہ فکر لاحق ہوگئی کہ نیک نامی کے راستوں میں حصول شہرت میں دیر لگتی ہے چلو دوسرے راستوں سے یہ مقصد حاصل ہو جائے۔

منہ پھٹ دانشوروں کے لیے وعید

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آگے بڑھنے سے پہلے میں مشکوۃ شریف کے ''باب البیان والشعر'' کے عنوان کے تحت مندرج چند احادیث کو پیش کروں جن میں زبان و بیان سے متعلق بے جا مبالغہ اور فصاحت و بلاغت کی سینہ زوری اور منہ پھاڑ کر بولنے اور جوڑ توڑ کے ساتھ رطب یابس اکٹھا کر کے مطلب حاصل کرنے کی وعیدوں کا ذکر ہے

بیان کی جادوگری

{ ا }عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَدِمَ رَجُلَانِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَخَطَبَا فَعَجِبَ النَّاسُ لِبَيَانِهِمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا (رواه البخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشرقی علاقے سے دو آدمی

آئے اور دونوں نے خطبہ دیا لوگوں نے ان کی فصیح وبلیغ بیان پر بڑی حیرت اور تعجب کا اظہار کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ بعض بیان سحر کا اثر رکھتے ہیں۔ بخاری

''لسحرا'' یعنی بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔''رجلان'' یہ اس وقت کا قصہ ہے کہ جب مشرقی علاقہ سے بنوتمیم کا ایک وفد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مدینہ منورہ آیا اس وفد میں دو فصیح وبلیغ آدمی آئے تھے ایک کا نام زبرقان تھا اور دوسرے کا نام عمرو بن ہتم تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں صحابہ کرام کے بھرے مجمع میں زبرقان نے نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ اپنے مفاخر ومآثر کو بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا اور پھر کہا کہ یا رسول اللہ! یہ عمرو بن ہتم بھی میری بیان کردہ خوبیوں کو جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں اور میرے کیا کارنامے ہیں۔ اس کے بعد عمرو بن ہتم اٹھے اور انھوں نے زبرقان کے بیان کردہ تمام کارنامے جھوٹے ثابت کئے اور کہا کہ اس شخص میں کوئی خوبی نہیں ہے عمرو کا انداز بیان بھی نہایت مؤثر اور موزون تھا جس سے لوگ زبرقان کے بارے میں شک میں پڑ گئے اس کے بعد زبرقان پھر اٹھا اور بڑے دلکش انداز میں کہا کہ اس شخص کا دل جانتا ہے کہ میں کیسا ہوں لیکن حسد نے اس کو اس طرح کہنے پر مجبور کیا ہے صحابہ کا مجمع ان

دونوں کے بیان کو جب سنتا تو دونوں کو شاباش دیکر حیران ہو جاتا اور تعجب کرنے لگتا اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان من البیان لسحرا: یعنی بعض بیان دلوں کو مائل کرنے میں جادو کی طرح اثر رکھتے ہیں۔ بعض محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو بیان کی مذمت پر حمل کیا ہے گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح کہنا چاہتے ہیں کہ تکلف کر کے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور منہ پھاڑ پھاڑ کر عجیب کلام پیش کرنا اور منہ زوری کر کے فصاحت و بلاغت کے شکنجوں میں لوگوں کو جکڑ نا رائی کا پہاڑ بنانا اور بات سے بتنگڑ بنانا، حقیر کو عظیم دکھانا اور عظیم کو حقیر کرنا یہ اچھا کام نہیں ہے بلکہ یہ خالص جادو کی طرح شعبدہ بازی ہے جو قابل نفرت ہے لیکن بعض دیگر محدثین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو تقریر و بیان کی مدح پر حمل کیا ہے کہ اچھے انداز اور اچھے اسلوب سے اپنے مافی الضمیر کو دوسروں کے سامنے پیش کرنا اور لوگوں کو متأثر کرنا سلیقہ سے بات پیش کرنا غضب کا اثر رکھتا ہے جو عمدہ اور قابل تحسین ہے مگر جب حق کے لیے ہو۔

منہ پھاڑ پھاڑ کر کلام کرنا تباہی ہے

{۲} وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ہَلَکَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ قَالَہَا ثَلَاثًا (رواہ مسلم)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلام میں مبالغہ کرنے والے ہلاکت میں پڑ گئے آپ نے یہ الفاظ تین بار فرمائے۔

''المتنطعون'' تنطع باب تفعل سے ہے منہ پھاڑ پھاڑ کر مبالغہ کے ساتھ کلام کرنے والے کو متنطع کہتے ہیں یعنی جس کے کلام میں تصنع اور بناوٹ بھی ہو اور بے جا چاپلوسی بھی ہو، خوشامد کی غرض سے بلا فائدہ عبارت آرائی بھی ہو، الفاظ کی نمائش بھی ہو اور چست جملوں کی عیاشی بھی ہو یہ کام اچھا نہیں ہے اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مذمت فرمائی ہے ظاہر ہے جھوٹ موٹ ملا کر خلافِ حقیقت بات کرنا اور باطل کو حق ثابت کرنا کوئی کمال نہیں ہے۔

منہ پھاڑ کر بک بک کرنے والوں کی مذمت

{۳} وَعَنْ اَبِیْ ثَعْلَبَۃَ الْخُشَنِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَحَبَّکُمْ اِلَیَّ وَ اَقْرَبَکُمْ مِنِّیْ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اَحَاسِنُکُمْ اَخْلَاقًا وَاِنَّ اَبْغَضَکُمْ اِلَیَّ وَاَبْعَدَکُمْ مِنِّیْ مَسَاوِیْکُمْ اَخْلَاقًا الثَّرْثَارُوْنَ اَلْمُتَشَدِّقُوْنَ اَلْمُتَفَیْہِقُوْنَ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان وروی الترمذی نحوہ عن جابر وفی روایۃ قالوا یارسول اللہ قد علمنا الثرثارون والمتشدقون فما المتفیھقون قال المتکبرون)

ترجمہ: اور حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا قیامت کے دن مجھ کو سب سے زیادہ عزیز ومحبوب اور میرے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ خوش اخلاق ہیں اور میرے نزدیک تم میں سے سب سے برے اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں بداخلاق ہیں اور بداخلاق سے مراد وہ لوگ ہیں جو بہت (بنا بنا کر) باتیں کرتے ہیں منہ پھاڑ کر بغیر احتیاط کے بک بک لگاتے ہیں اور تکبر کرتے ہیں۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور ترمذی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت نقل کی ہے۔ نیز ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ترثارون اور متشدقون کے معنی تو ہمیں معلوم ہیں متفیھقون سے کیا مراد ہے یعنی متفیھق کس کو کہتے ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تکبر کرنے والے۔

''الثرثارون'' نہایہ میں لکھا ہے کہ ''الثرثارون ھم الذین یکثرون الکلام تکلفا خروجا عن الحق من الثرثرۃ وھی کثرۃ الکلام وتردیدہ''۔ گویا ثرثارون ٹرٹارون کے وزن پر ہے اور ثرثرۃ ٹرٹرۃ کے وزن پر ہے فضول بکواس کرنا مراد ہے۔ ''المتشدقون'' منہ پھاڑ پھاڑ کر بے احتیاطی کے ساتھ جھوٹ بول کر استہزاء کرنا اور فحش اشعار پڑھنا۔ ''المتفیھقون'' منہ پھاڑ پھاڑ کر گفتگو کرنا اور اپنی بڑائی وعظمت جتلانے کی غرض سے فصیح وبلیغ چست جملے

چسپاں کرنا تاکہ لوگ اس سے مرعوب ہوجائیں۔ یہ سارا کام متکبر لوگوں کا ہوتا ہے لہذا حدیث میں اس لفظ کی تفسیر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی۔ ''قال المتکبرون'' یعنی متفیھقون سے متکبرین مراد ہیں۔

ظالموں کی مدح سرائی سے پیسہ کمانے کی مذمت

وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَاصٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَخْرُجَ قَوْمٌ یَأْکُلُوْنَ بِأَلْسِنَتِھِمْ کَمَا تَأْکُلُ الْبَقَرَۃُ بِاَلْسِنَتِھَا (رواہ احمد)

ترجمہ: اور حضرت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کہ ایک ایسی جماعت پیدا نہیں ہوجائے گی جو اپنی زبانوں کے ذریعہ اس طرح کھائے گی جس طرح گائیں اپنی زبانوں سے کھاتی ہیں۔

''بالسنتھم'' یہ لسان کی جمع ہے زبان مراد ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ زبان کو کھانے پینے کا ذریعہ بنائیں گے وہ اس طرح کہ فساق فجار کی بے جا مدح کریں گے ان کی مدح میں اشعار اور قصیدے پڑھیں گے اور زبان کو موڑ موڑ کر ان کی تعریفیں کریں گے اور اس سے پیسہ کما کر کھائیں گے یا کسی بے گناہ کی مذمت کریں گے اور پیسہ کما کر کھائیں گے یہ لوگ حلال وحرام کی تمیز نہ کرنے میں اس

حیوان اور گائے کی مانند ہوں گے جو اپنی زبان کے ذریعہ سے ہر قسم رطب و یابس اور صالح وخبیث گھاس کو لپیٹ لپیٹ کر جمع کرتی ہے اور پھر کسی تمیز کے بغیر کھا جاتی ہے اس سے غلط قسم کے شعراء اور خطباء مراد ہیں جو حق و باطل اور حلال وحرام کی تمیز نہیں کرتے ہیں ساتھ والی حدیث کی تشریح بھی اسی طرح ہے۔

فصاحت و بلاغت میں بے جا تکلف مذموم ہے

وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْبَلِیْغَ مِنَ الرِّجَالِ الَّذِیْ یَتَخَلَّلُ بِلِسَانِہٖ کَمَا یَتَخَلَّلُ الْبَاقِرَۃُ بِلِسَانِھَا (رواہ الترمذی وابوداود وقال ھذا حدیث غریب)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص سخت ناپسندیدہ ہے جو کلام وبیان میں حد سے زیادہ فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرے بایں طور کہ وہ اپنی زبان کو اس طرح لپیٹ لپیٹ کر باتیں کرے جس طرح گائے اپنے چارہ کو لپیٹ لپیٹ کر جلدی جلدی اپنی زبان کے ذریعہ کھاتی ہے۔ اس روایت کو ترمذی اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے نیز ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے۔

''البلیغ'' بلاغت وفصاحت کے ساتھ بے جا مبالغہ کرنے والا مراد ہے جو منہ

پھاڑ پھاڑ کر اور زبان گھما گھما کر حق و باطل میں تمیز کئے بغیر کلام کرتا ہو اور حد شرعی سے تجاوز کرتا ہو، شرعی حدود کے اندر کلام کرنے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

"یتخلل" ای یلف الکلام بلسانه کما تلف البقرة بلسانها العلف" یعنی زبان کو لپیٹ لپیٹ کر کلام کرنے والا جس طرح گائے گھاس کو لپیٹ کر کھاتی ہے۔ زور قلم سے قلمکاری و مقالہ نگاری کر کے حق کے خلاف لکھنا اس میں داخل ہے۔

بے عمل واعظین کا حشر

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَرْتُ لَیْلَۃً اُسْرِیَ بِیْ بِقَوْمٍ تُقْرَضُ شِفَاھُھُمْ بِمَقَارِیْضَ مِنَ النَّارِ فَقُلْتُ یَاجِبْرَائِیْلُ مَنْ ھٰؤُلَآءِ قَالَ ھٰؤُلَآءِ خُطَبَآءُ اُمَّتِکَ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ مَالَا یَفْعَلُوْنَ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا جن کی زبانیں آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھیں میں نے (یہ دیکھ کر) پوچھا کہ جبرائیل یہ کون لوگ ہیں جبرائیل نے کہا کہ یہ آپ کی امت کے واعظ و خطیب ہیں جو ایسی باتیں کہتے ہیں جن پر خود عمل نہیں کرتے۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث

غریب ہے۔

''تقرض'' یہ قرض سے ہے جو کاٹنے کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو خطباء زبان سے کچھ کہتے ہیں اور عمل دوسرا کرتے ہیں اور حدود شرعیہ کا خیال نہیں رکھتے۔ فصاحت و بلاغت کی منہ زوری سے باطل کو حق اور حق کو باطل دکھاتے ہیں معراج کی رات یہ پراسرار لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے کہ ان کی ہونٹوں کو بطور سزا قینچیوں سے کاٹا جا رہا تھا کیونکہ ان کا باطن ان کے ظاہر سے مخالف تھا جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

واعظاں کہ جلوہ برمحراب و منبر می کنند☆ چوں بخلوت می روند اں کار دیگر می کنند

دراصل یہاں ایک ضابطہ اور قاعدہ کا سمجھنا بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مصلحین اشخاص میں سے جن لوگوں کا ظاہر اور باطن ایک جیسا ہو اور ان کی پوشیدہ زندگی اور ظاہری زندگی بالکل آشکارا ہو تو ایسے لوگوں سے عموماً کسی کو دھوکہ نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کی ظاہری زندگی تو عوام کے سامنے ہو اور اندر کی نجی اور پوشیدہ زندگی عوام کے سامنے نہ ہو تو ایسے لوگوں سے عوام کو بہت بڑا دھوکہ ہو جاتا ہے جناب غامدی صاحب جیسے پراسرار اشخاص ایسے ہی ہیں کہ ان کی پوشیدہ زندگی کسی کے سامنے نہیں ہوتی ہے تو لوگ ظاہری زندگی سے دھوکہ کھا جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جو لوگ کسی طرح ایسے پراسرار اشخاص کی نجی زندگی تک پہنچ جاتے ہیں تو وہ ان سے

کوسوں دور بھاگ جاتے ہیں نبی مکرم W کی زندگی کے دونوں پہلو کھلی کتاب کی طرح واضح تھے اس لیے جس نے آپ W کو دیکھا تو ایسا گرویدہ ہو گیا کہ مرتے دم تک ادھر ادھر نہ دیکھا جسم کے ٹکڑے ہو گئے مگر پیچھے کو نہیں ہٹا۔

چرب لسانی کے بارے میں وعید

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّمَ صَرْفَ الْكَلَامِ لِیَسْبِیَ بِهٖ قُلُوْبَ الرِّجَالِ اَوِ النِّسَآءِ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس مقصد کے لیے گھما پھرا کر بات کرنے کا سلیقہ سیکھے کہ وہ اس کے ذریعہ مردوں کے دلوں یا لوگوں کے دلوں پر قابو حاصل کر لے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ اس کی نفل عبادت قبول کرے گا اور نہ فرض۔

''صرف الکلام'' کلام کو گھمانا پھرانا مراد ہے یعنی باتوں کے گھمانے پھرانے الٹنے پلٹنے اور چرب لسانی کا خوب سلیقہ سیکھے۔ ''لیسبی'' ضرب یضرب سے ہے قید کرنے کو کہتے ہیں مراد یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو زور لسانی اور مبالغہ آرائی سے اپنی طرف مائل کرتا ہے حقیقت کو چھپا کر ضرورت سے زیادہ فصاحت وبلاغت کا مظاہرہ کرتا ہے تا کہ لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں اور یہ شخص اپنا

مطلب نکال سکے۔جس طرح آج کل کے اکثر مضمون نگاروں کا پیشہ ہے۔

''صرفا''اس سے نفل عبادت مراد ہے''عدلا''اس سے فرض عبادت مراد ہے بعض علماء نے صرف سے توبہ کرنا مراد لیا ہے اور عدل سے فدیہ دینا مراد لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے شخص کی یہ عبادات قبول نہیں ہوں گی اس حدیث میں منہ زوری مبالغہ آرائی اور چرب لسانی کی شدید مذمت کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے آج کل لوگ اس پر فخر کرتے ہیں۔

زبان کی بے احتیاطی اور الفاظ کی عیاشی کی یہ بیماری عرب وعجم سب کا مشترکہ مشغلہ رہا ہے عرب کے شعراء اور مقالہ نگاروں نے زمین وآسمان کے ایسے قلابے ملائے ہیں کہ دوسری دنیا ان کے سامنے بے بس نظر آتی ہے۔بادشاہوں کی خوشامد اور بے جا تعریفات میں عرب اتنے آگے نکل چکے تھے کہ زبان نبوت سے ان کے قابو کرنے لیے سخت وعیدات آئیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ایسے لوگوں کی سخت مذمت فرمائی آج کل عربی اخبارات اور جرائد ورسائل میں روزانہ ہزاروں ایسے مضامین شائع ہوتے ہیں جس میں فصاحت وبلاغت اور ادبی میدان میں اتر کر چرب لسانی کے ذریعہ سے اسلام پر اعتراضات کرنے والے اسلام کے خلاف خوب اپنے دلوں کا بھڑاس نکال رہے ہیں طٰہٰ حسین نے اسلام کی بیخ کنی کے لیے اسلام پر سینکڑوں اعتراضات کئے عرب کے علاوہ عجم

کی دنیا میں مقالہ نگاری قلمکاری اور دانشوری کے دعویدار قلم کے زور سے اسلام کے خلاف روزانہ ہزاروں مضامین چھاپ رہے ہیں انگریزی اخبارات کا تو مشغلہ یہی ہے اردو اخبارات میں بھی ایسے بدباطنوں کی کمی نہیں ہے جو بڑی دیدہ دلیری سے اسلام اور اہل اسلام کے خلاف کھل کر لکھ رہے ہیں ان اخبارات کے یہ مقالہ نگار زبان وقلم اور فصاحت وبلاغت کے چست جملے چسپاں کرنے اور مقالہ نگاری کا جوہر دکھانے کے لیے اسلام اور اسلام کے مبارک احکامات اور اسلام کی مقدس ہستیوں کو تختۂ مشق بنا رہے ہیں۔

آپ غور کریں سلمان رشدی ملعون نے مقالہ نگاری ہی کے شوق میں اپنے گندے منہ سے اپنے گندے لعاب کا گندہ ملبہ اسلام پر پھینک کر اپنے گندے آقاؤں کے پاس چلا گیا تسلیمہ نسرین اور بے غیرت ملالہ یوسف زئی نے بھی یہی تو کیا ایسے سینکڑوں منافقین اور ملحدین نے اپنا ایمان ووطن بیچ کر خالص دنیوی اغراض ومقاصد کے لیے اسلام کے خلاف مقالے لکھے اور پھر بھاگ کر اپنے مغربی آقاؤں کے گود میں جا کر بیٹھ گئے برصغیر ہندوستان میں بیٹھ کر وحیدالدین خان کو ذرا دیکھ لیجئے وہ زبان وبیان اور قلم کا سارا زور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہا ہے پٹنہ میں جا کر سرسوتی بت کے سامنے جھک گیا اور ہفتہ وار رسالہ زندگی کی رپورٹ کے مطابق اس موقع پر اس نے قشقہ بھی لگایا اور

ہندوستان کی متعصب اسلام دُشمن آر ایس ایس، وشوا ہندو پریشد، شیوسینا، اور بجرنگ دل کی تنظیموں کے ساتھ مل کر ان کے جلسوں میں شریک ہوتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بولتا رہتا ہے، اسی ملک میں ان سے پہلے سر سید احمد خان نے نصف صدی تک انگریزوں کی خوشامد اور خدمت میں اسلام اور اہل اسلام کے خلاف جو کچھ لکھا وہ اسی قلم کی دانشوری اور ادبی اسکالری کی نحوست تھی مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اسی مقالہ نگاری کے شوق میں مسلمانوں کو دھوکہ دیکر پہلے مہدی بنا پھر مسیح موعود کا ڈھنڈورا پیٹنے لگا اور پھر نبوت کا دعویٰ کر بیٹھا غلام احمد پرویز کی تحریرات کو دیکھو اس نے اسی قلم نگاری اور مقالہ نگاری میں انکار حدیث کا فتنہ کھڑا کر دیا شبلی نعمانی کی قلم نگاری کو دیکھو وہ اپنے پڑھنے والوں کو آگ لگا دیتے ہیں لیکن کئی مقامات میں ان کے قلم نے بھاری لغزشوں کا ارتکاب کیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی لغزشوں کو معاف کرے، ادھر سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنے قلم کے زور پر صحابۂ کرام اور انبیاء عظام پر کیچڑ اچھالا خلافت وملوکیت جیسی اعتراضات سے بھری ہوئی کتاب لکھی رسائل ومسائل میں متنازع مسائل کھڑے کر دیئے اور نئی نسل کو ایک مشکوک ذھن دے کر چھوڑ دیا تاہم ان کی جماعت نے اب ٹھہراؤ کا راستہ اختیار کیا ہے اللہ کرے مزید سدھر جائیں یہ سب مقالہ نگاری اور قلم کاری کی مصیبت تھی اور غلط لوگوں کی

صحبت تھی بدقسمتی سے نیاز فتح پوری جیسے ملحد اور زندیق شخص کی صحبت نے مودودی صاحب کی اچھی قلمکاری کو کج راہی دکھائی پھر مودودی صاحب کے قریبی رفقاء میں امین احسن اصلاحی صاحب ان کو مل گئے وہ بھی مقالہ نگاری اور قلم کاری میں غضب کے ماہر تھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جماعت اسلامی کے بانیاں میں سے ہیں پھر مودودی صاحب کے ان سے اختلافات ہو گئے تو وہ جماعت سے الگ ہوا اور اپنے غلط مشن کو جاری کیا جو حمید الدین فراہی نے انہیں دیکر چھوڑا تھا۔

امین احسن اصلاحی کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے ان کو جاوید غامدی صاحب ملے جو پہلے مودودی صاحب کے ساتھ جماعت اسلامی میں تھے جماعت اسلامی میں غامدی صاحب نے اتنی ترقی کی کہ ان کے حواری ان کو مودودی صاحب کے جانشین بتانے لگے امین احسن اصلاحی کے جماعت اسلامی سے علیحدگی نے جاوید احمد غامدی کو اپنی طرف کھینچ لیا اور غامدی صاحب اب امین احسن اصلاحی صاحب کے پکے مرید اور عقیدت مند بن گئے اور کج راہی کے سارے گُر اور کرتب امین احسن صاحب نے ان کو سکھلائے یہ سلسلۂ شرمساری جو کچھ بھی تھا اس میں بنیادی وجۂ اشتراک یہی قلم کاری اور یہی مضمون نگاری اور یہی لفاظی اور یہی شعبدہ بازی تھی اور بدقسمتی سے اس میدان میں غامدی صاحب

کوئی نسل اور نئے پود میں ایسے نومولود نوعمر نوجوان ملے جو شاگردوں اور خادموں کی صورت میں غامدی صاحب کے بوجھ کو ہلکا کر رہے ہیں اور اپنے قلم سے وہ زہرافشانی کر رہے ہیں کہ جن گوشوں اور کونوں کانچوں پر ضعیف العمری کی وجہ سے غامدی صاحب کی نظر نہیں پڑی تھی ان کے نومولود شاگردوں نے اس کو اس طرح ڈھونڈ لیا کہ غامدی صاحب اس پر عش عش کرنے لگے قصہ وہی ہوا جو شاعر نے کہا

تھا جو ناخُوب بتدریج وہی خُوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مزاج

زبان کی چرب لسانی سے متعلق عجیب احادیث

زبان کی تیزی وطراری اور الفاظ کی عیاشی اور شعبدہ بازی اور دانشوری کے دبیز پردوں کے نیچے اسلام کے خلاف عیاری ومکاری اور نفاق کا بڑا طوفان اگر کوئی دردمند مسلمان سمجھنا چاہتا ہے تو وہ مندرجہ ذیل احادیث ترجمہ کے ساتھ پڑھیں

(۱) مسند احمد ج ا ص: ۲۹۷ پر مسلسل سند کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے

عن ابی عثمان النھدی قال انی لجالس تحت منبر عمر رضی اللہ عنہ وھو یخطب الناس فقال فی خطبتہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول ان اخوف ما اخاف علی ھذہ الامۃ کل منافق علیم اللسان (مسند

احمد ج ۱ ص:۲۹۷) طبع قاھرہ

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر خطبہ کے دوران فرمایا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اس امت کے لیے سب سے زیادہ خوفناک خطرہ جو میں محسوس کر رہا ہوں وہ ہر وہ منافق ہے جو زبان کی تمام تیزی اور طراری کا ماہر ہو۔

(۲)　تقریباً تقریباً یہی روایت بیہقی نے شعب الایمان ج ۲ ص ۲۸۴ پر ذکر کیا ہے اس میں اتنا اضافہ ہے کہ زبان چلانے کے یہ ماہر منافقین میرے بعد آئیں گے۔

(۳)　کنز العمال ج ۱۰ ص ۱۸۶ پر بھی انہیں الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے

(۴)　موارد الظمآن میں ابوبکر ہیثمی نے اس حدیث کو کچھ الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اخوف ما اخاف علیکم جدال منافق علیم اللسان (ص ۱۵)

ترجمہ: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ آنحضرت W نے فرمایا کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے وہ اس منافق کا جھگڑا اور مباحثہ ہے جو زبان کا تیز طرار اور ماہر ہوگا

اس مضمون کو آگے بڑھانے کے ضمن میں بطور تبرک حضرت سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی کتاب ''دور حاضر کے فتنے'' سے کچھ اقتباسات قارئین کے سامنے رکھتا ہوں جو اس موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں اور بہت مفید ہیں۔

اہل علم واہل قلم حضرات کا فتنہ (ص:۱۰۰)

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''دور حاضر کے فتنے'' میں فرماتے ہیں:

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں اربابِ علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کر رہے ہیں، اور اربابِ جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں، ہر صاحبِ قلم صاحب علم بننے کا مدعی ہے، کتابوں کے اردو تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے، افسوس کہ عصر حاضر میں {واثمهما اكبر من نفعهما} کا مصداق بنتے جا رہے ہیں جن کا ضرر و نقصان فائدہ و نفع سے کہیں بڑھ گیا ہے۔

دور حاضر جہاں مختلف فتنوں کی آماجگاہ ہے، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے گوئے سبقت لے جا رہا ہے، ایک حدیث میں ہے جسے درمنثور میں بحوالہ ''مسند احمد'' ''الادب المفرد للبخاری'' اور ''مستدرک حاکم'' بروایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت سے پہلے چھ فتنوں کا

ذکر فرمایا ہے جن میں سے ایک ''فَشْوُ الْقَلَمِ'' یعنی ''قلم کا طوفان'' ہے اس حدیث کی روشنی میں آج طوفان قلم کی فتنہ سامانی کا اندازہ ہر عاقل کرسکتا ہے۔

علمی میدان میں ان حضرات کا دائرہ نہ صرف بہت محدود وتنگ ہے بلکہ ہے ہی نہیں، اردو کے تراجم سے کچھ سطحی معلومات حاصل کر کے ہر شخص دورِ حاضر کا مجتہد بنتا جارہا ہے، اور ''اعجاب کل ذی رأی برأیہ'' (ہر شخص اپنی رائے کو پسند کرتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے) اس فتنے نے ''کریلا اور پھر نیم چڑھا'' والی مثل صادق کردی ہے، اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم کرا کر فتنہ کو اور بڑھا دیا ہے، غرض کہ فتنوں کا دور ہے ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف سے فتنے ہی فتنے نظر آتے ہیں، ان فتنوں کے سد باب کے لیے مستقل اداروں کی ضرورت ہے جن کا اساسی مقصد صرف یہی ہو کہ ان تراجم کا جائزہ لیا جائے اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو، (افسوس کہ) ارباب جرائد ومجلّات کا مقصد محض تجارت ہے، اور اربابِ قلم کا مقصد محض شہرت ہے یا پھر کچھ مادی منفعت بھی پیشِ نظر ہے،

بلا شبہ علمی ودینی نقطہ نظر سے یہ وقت کا اہم ترین مسئلہ ہے اور اسلامی احکام کی روشنی میں اگر صحیح متفقہ حل پیش کیا جائے تو کمیونزم کا سد باب ہوسکتا ہے، دنیا کی مادی بنیادیں دو ہیں جن پر معاش ومعیشت کا دار ومدار ہے ایک زراعت اور

ایک صنعت وتجارت دونوں چیزیں حیات انسانی کے لیے بمنزلہ ریڑھ کی ہڈی کے ہیں، اس لیے دین اسلام نے ان کے احکام پورے طور پر بیان کر دیئے، قرآن وحدیث وفقہ اسلامی میں ان کی تفصیلات موجود ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مفکرین اربابِ دین وارباب علم جن کی علمی زندگیاں انہی بادیہ پیمائیوں میں گزری ہیں اور جن کی بے لوث زندگیاں اخلاص وتقویٰ سے معمور ہیں اور جن کی فکری واجتہادی صلاحیتیں مسلم ہیں جلد سے جلد کسی مرکز میں بیٹھ کر وفاقی اجتماعی حل پیش کریں، شخصی طور پر اس پچاس سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اگر چہ ارباب اقتدار آج کل اتنے جری ہو گئے کہ فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہر حکم نافذ کرتے ہیں، اور اسلام کے ادعاء کے باوجود ہر قید وبند سے آزاد ہو کر احکامات صادر فرماتے رہتے ہیں، ان حالات میں بے چارے اہل علم یا ارباب دین کی باتوں کو وہ کہاں درخورِ اعتناء سمجھتے ہیں؟ لیکن بارگاہ ربوبیت میں اپنی مسئولیت پوری کرنے کے لیے ہر وقت اس کی ضرورت ہے۔

علمی فتنے (ص:٢١)

علمی فتنے وہ ہوتے ہیں جو علوم وفنون کی راہ سے آتے ہیں تاریخ اسلام میں ان علمی فتنوں کی مختلف صورتیں رہی ہیں، بہر صورت ان علمی فتنوں کا اثر براہ راست اعتقاد پر پڑتا ہے، ان فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ ''باطنیہ''

(اسماعیلیہ فرقہ) کا تھا جو قرامطہ کے دور میں ابھرا اور خوب پھلا پھولا، اس فتنہ کا سب سے بڑا اور برا نتیجہ یہ نکلا کہ دین میں الحاد و تحریف کا دروازہ کھل گیا اور اسلامی حقائق ''ضروریات دین'' متواترات اسلام، بنیادی عقائد و اعمال، مجمع علیہ شعائر اسلام، میں تاویلوں اور تحریفوں کے دروازے کھل گئے (اور اسی کے نتیجہ میں نماز، روزہ، زکوۃ، حج اور دیگر شعائر اسلام ان کے مذہب سے نکالے گئے)

اس آخری دور میں یہ فتنہ بہت بڑے پیمانے پر تمام اسلامی ممالک میں یورپ سے درآمد ہونا شروع ہوا، اور مستشرقینِ یورپ نے تو اس کو ایسا اپنا نصب العین بنالیا کہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف، نشر و اشاعت، تحقیق و ریسرچ غرض ہر دلکش اور پُرفریب عنوان سے اس کے پیچھے پڑ گئے اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کردیں، اور اسلام سے انتقام لینے کا اس کو ایک ''کارگرترین حربہ'' قرار دے لیا، یہاں تک کہ جو طلبہ اسلامی ممالک سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں حاصل کرنے کی غرض سے یورپین ممالک کا سفر کرتے ہیں ان درس گاہوں میں ان طلبہ سے ''اسلامی موضوعات'' پر ایسے ''مقالات و مضامین'' لکھواتے ہیں کہ وہ مسلمان طلبہ بھی اسلامی معتقدات کے بارے میں کم از کم ''تشکیک'' کے اندر ضرور مبتلا ہوجاتے ہیں، یہ وہ دردناک داستانیں ہیں جن کی تفصیل کے لیے بے

پایاں دفتر درکار ہیں، ''مجمع الزوائد میں حافظ نور الدین ہیثمی نے بحوالہ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:

اِنَّهُ كَانَ يَتَعَوَّذُ مِنْ فِتْنَةِ الْمَشْرِقِ، قِيْلَ فَكَيْفَ فِتْنَةُ الْمَغْرِبِ؟ قَالَ: ''تِلْكَ اَعْظَمُ وَ اَعْظَمُ''

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے، آپ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے، بہت ہی بڑا ہے۔ یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آپؐ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوط اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہوگیا، اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا، تمام ممالک پر کفر کا استیلاء ہوگیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلاد مغرب کے اس فتنہ میں استشراق کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد و تحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالمگیر ہوگا، بہرحال الفاظ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

علماء کی صحبت کے بغیر حصول علم فتنہ ہے

دنیا میں ہر کمال کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ صاحبِ کمال کی خدمت میں رہ کر وہ کمال حاصل کرلیا جائے، معمولی سے معمولی صنائع اور عام سے عام

پیشوں کے لیے بھی کسی استاذ ورہنما کی ضرورت مسلّم ہے، بغیر استاذ کے نری عقل وذہانت اور طباعی سے کوئی کمال صحیح طور پر حاصل نہیں ہوسکتا، انجینئری ہو یا ڈاکٹری اور طبابت ہو، ہر صنعت وحرفت کے لیے ابتداءً عقل کی رہنمائی کے لیے کسی استاذ کی حاجت یقینی ہے، جب انسانی عقل کے پیدا کردہ فنون وعلوم کے حاصل کرنے لیے ایک کامل کی صحبت ضروری ہے تو علوم نبوت اور معارف انبیاء اور حقائق شریعت کے لیے استاذ ورہنما سے کیسے استغناء ہوسکتا ہے؟ کیونکہ یہ علوم ومعارف تو عقل وادراک کے دائرے سے بالاتر ہیں اور وحی ربانی کے ذریعہ سے امت کو پہنچے ہیں، آسمانی تربیت اور ربانی ہدایت وارشاد کے ذریعہ سے اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

پھر ان ربانی علوم میں الفاظ سے زیادہ مربی کی توجہات اور اس کی عملی صحبت کو دخل ہوتا ہے اور تعلیم سے زیادہ ذہنی وفکری اور عملی تربیت ضروری ہے، اس لیے جتنی طویل صحبت ہوگی زیادہ کمال نصیب ہوگا اور مربی ورہنما جتنا باکمال ہوگا اتنا زیادہ فائدہ اور کمال حاصل ہوگا۔

اپنی عقل ورائے پر اعتماد اور اس کا نتیجہ

پھر ان علوم نبوت کی غرض وغایت چونکہ ہدایت وارشاد اور مخلوق خدا کی رہنمائی ہے اس لیے ان کے سمجھنے میں شیطان لعین کی عداوت واِضلال اور گمراہی کا

شدید اندیشہ ہوتا ہے جو کمال کہ دنیوی مفاد کے لیے حاصل کرنا ہوتا ہے اس میں شیطان آرام سے بیٹھا رہتا ہے اس کو دخل کی حاجت ہی نہیں، نہ عداوت ظاہر کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں آخرت وعقبیٰ اور دین کی بات ہوتی ہے تو شیطان اپنی شرارت کے لیے بے تاب ہوتا ہے، مختلف وسائل سے اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے کہ کسی طرح سے یہ رشد وہدایت ضلالت میں تبدیل ہوجائے اور چونکہ ابلیس لعین کا سب سے بڑا کارنامہ تلبیس ہے یعنی حق وباطل میں ایسا التباس ہوجائے کہ جو چیز ظاہری صورت کے لحاظ سے خیر ہے حقیقت کے اعتبار سے شر بن جائے، پھر نفس انسانی کی کارستانیاں اس پر مستزاد ہیں، انسانی فطرت میں کبر وعجب ہے، ریاکاری وحب شہرت ہے، حب جاہ کا مرض ہے اور ایسے شدید وقوی امراض ہیں کہ مدتوں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے ان کا ازالہ نہیں ہوتا، اس لیے نفس وشیطان کے اثرات سے بچنے کے لیے مدتوں کسی کامل کی صحبت ضروری ہوتی ہے اور جب فضل الٰہی شامل حال ہو تو اصلاح ہوجاتی ہے ورنہ انسان یونہی علم وعقل کے صحراؤں میں بھٹکتا پھرتا ہے، دنیا کی علمی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ جتنے فتنے پیدا ہوئے ہیں سب اذکیاء اور عقلاء حضرات کے ذریعہ سے وجود میں آئے اور علمی دور میں اکثر فتنے علم کے راستے سے آئے ہیں بلکہ علماء حق میں بھی بہت سے

اذکیاء زمانہ اپنی شدت ذکاوت کی وجہ سے جمہور امت سے شذوذ اختیار کر کے غلط افکار ونظریات کا شکار ہو گئے اور وہاں زیادہ تر یہی حقیقت کارفرما رہی کہ اپنے تبحر علمی وذکاوت پر اعتماد کر کے علمی کبر اور اعجاب بالرأی کے مرض میں مبتلا ہوئے، زیادہ صحبت نہیں ملی اور کہاں سے کہاں نکل گئے؟۔

ہمارے اس دور میں بھی اس کی بہت سی نظیریں موجود ہیں، اور چونکہ علمی ذہانت تو ہوتی ہی ہے اور بسا اوقات بہت عمدہ بات بھی کہہ جاتے اور لکھ جاتے ہیں، اس لیے ان کی وہ عمدہ باتیں مزید فتنہ کا باعث بن جاتی ہیں اور جن حضرات کو زیادہ صحبت اور علمی گہرائیاں نصیب نہیں ہیں وہ بہت جلد ان کے معتقد ہو جاتے ہیں اور ان کے امت سے مختلف شذوذ (غیر معروف) اور جدید افکار ونظریات کے بھی حامی ہو جاتے ہیں، اور شیطان تو اپنے کام میں لگا ہوا ہے جو شخصیت امت کی ہدایت وارشاد کے کام آسکتی تھی وہ امت میں زیغ وضلال کا ذریعہ بن جاتی ہے، ہر دور میں اس کی مثالیں موجود ہیں، امام غزالیؒ نے مقاصد الفلاسفہ میں لکھا ہے کہ:

’’یونانیوں کے علوم حساب ہندسہ عنصریات وغیرہ صحیح علوم کو دیکھ کر لوگ ان کے تمام علوم کے معتقد ہو گئے، طبعیات والہیات میں ان کی تحقیقات کے قائل ہو کر گمراہ ہو گئے‘‘۔

امام غزالی رحمہ اللہ کی یہ بات بہت عجیب ہے اور بالکل صحیح ہے شیطان کو اس قسم کے مواقع میں اضلال کا بہت اچھا موقع مل جاتا ہے، بہر حال جب انتہائی علمی قابلیت والے انتہائی ذکاوت والے فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں تو ایسے حضرات کہ جن میں علمی قابلیت بہت کم، لیکن قلمی قابلیت بہت زیادہ ہو، صحبت ارباب کمال سے یکسر محروم ہوں عقلمند اور ذہین ہوں وہ تو بہت جلد اعجاب بالرأی کے خطرناک مرض میں مبتلا ہو کر تمام امت کی تحقیر اور تمام تحقیقات امت کا استخفاف اور تمام سلف صالحین کے کارناموں کی تضحیک اور اول سے لیکر آخر تک تمام پر تنقید کر کے خطرناک گہرے گڑھے میں گر کر تمام نسل کے لیے گمراہی کا باعث بن جاتے ہیں۔

اس قسم کے لوگوں میں سے آج کل کی ایک مشہور شخصیت جناب سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کی ہے جو بچپن ہی سے طباع و ذہین مگر معاشی پریشانی میں مبتلا تھے ابتدا میں اخبار ''مدینہ'' بجنور میں ملازم ہوئے اور پھر دہلی میں جمعیت علماء ہند کے اخبار ''مسلم'' سے وابستہ رہے، پھر چند سالوں کے بعد اخبار ''الجمعیۃ'' دہلی میں ملازم ہوئے جو جمعیت علماء ہند کا ترجمان تھا، دہلی سے نکلتا تھا غالباً سہ روزہ تھا، تاریخ کے جواہر پاروں کے عنوان سے ان کے مضامین بہت آب وتاب سے نکلتے تھے، اس طرح مودودی صاحب کی قلمی تربیت مولانا احمد سعید

صاحب کے ذریعہ ہوتی گئی، والد مرحوم کی وفات کی وجہ سے اپنی تعلیم نہ صرف یہ کہ مکمل نہ کر سکے بلکہ ابتدائی عربی تعلیم کی کتابوں میں رہ گئے، نہ جدید تعلیم سے بہرور ہو سکے، پرائیویٹ انگریزی تعلیم حاصل کی اور انگریزی سے کچھ مناسبت ہوگئی، اس دور کے اچھے لکھنے والوں کی کتابوں اور تحریرات اور مجلّات وجرائد سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا، اور قلمی قابلیت روز افزوں ہوتی گئی، بدقسمتی سے نہ کسی دینی درسگاہ سے فیض حاصل کر سکے، نہ جدید علوم کے گریجویٹ بن سکے نہ کسی پختہ کار عالم دین کی صحبت نصیب ہو سکی اور ایک مضمون میں خود اس کا اعتراف کیا ہے جو عرصہ ہوا کہ ہندوستان متحدہ میں مولانا عبدالحق مدنی مرادآبادی کے جواب میں شائع ہوا تھا بلکہ بدنصیبی سے ''نیاز فتح پوری'' جیسے ملحد وزندیق کی صحبت نصیب ہوئی، ان سے دوستی رہی ان کی صحبت ورفاقت سے بہت کچھ غلط رجحانات ومیلانات پیدا ہو گئے، حیدر آباد دکن سے ۱۹۳۳ئ میں ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' جاری کیا، آب وتاب سے مضامین لکھے بہتر سے بہتر پیرائے میں کچھ علمی وقلمی چیزیں ابھرنے لگیں، ان دنوں ملک کی سیاسی فضا مرتعش تھی، تحریک آزادی ہند فیصلہ کن مراحل میں تھی، ہندوستان کے بہترین دماغ اسی کی طرف متوجہ تھے۔

علمائے کرام کے زمرے میں شاید حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ پہلی

شخصیت ہیں جنہوں نے اپنے مکاتیب میں اس فتنے کی نشاندہی فرمائی، رفتہ رفتہ علماء امت کچھ نہ کچھ لکھتے رہے، حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب نے اس وقت جو مطبوعہ ذخیرہ تھا سب کا مطالعہ فرما کر ایک مبسوط رسالہ مرتب فرمایا، لیکن افسوس کہ طبع نہ ہوسکا اور اس سلسلہ میں ایک مدرس مظاہر العلوم مولانا محمد زکریا قدوسی صاحب جو خود مودودی صاحب کی طرف مائل ہو گئے تھے ان کی اصلاح کے پیش نظر ایک مکتوب لکھا جو ''فتنہ مودودیت'' کے نام سے ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہو گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

مودودی صاحب کی بہت سی چیزیں پسند بھی آئیں اور بہت سے ناپسند بھی، لیکن عرصہ دراز تک جی نہ چاہا کہ ان کو مجروح کیا جائے اور ان کے جدید انداز بیان سے جی چاہتا تھا کہ جدید نسل فائدہ اٹھائے، اگرچہ بعض اوقات ان کی تحریرات میں ناقابل برداشت باتیں بھی آئیں لیکن دینی مصلحت کے پیش نظر برداشت کرتا رہا اور خاموش رہا لیکن اتنا اندازہ نہ تھا کہ یہ فتنہ عالم گیر صورت اختیار کرے گا اور اکثر عرب ممالک میں یہ فتنہ بری صورت اختیار کرے گا اور دن بدن ان کے شاہکار قلم سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے رہیں گے صحابہ کرام اور انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں ناشائستہ الفاظ استعمال ہوں گے آخر تفہیم

القرآن اور خلافت وملوکیت اور ترجمان القرآن میں روز بروز ایسی چیزیں نظر آئیں کہ اب معلوم ہوا کہ بلا شبہ ان کی تحریرات وتالیفات عہد حاضر کا سب سے بڑا فتنہ ہے اگر چہ چند مفید ابحاث بھی آگئیں لیکن {واثمھما اکبر من نفعھما} والی بات ہے اب حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ سکوت جرم عظیم معلوم ہوتا ہے اور چالیس سال جو مجرمانہ سکوت کیا اس پر بھی افسوس ہوا۔
اور اب وقت آگیا ہے کہ بلا خوف لومۃ لائم الف سے یا تک ان کی تالیفات وتحریرات کو مطالعہ کر کے جو حق وانصاف اور دین کی حفاظت کا تقاضا ہو وہ پورا کیا جائے (ص:۱۰۷)

یاد رہے حضرت بنوری نے آخری عمر میں الاستاذ المودودی لکھ کر حق ادا کر دیا۔

تاریخ فتنۂ انکار حدیث اور اس کے اسباب (ص:۱۶۱)

۱۔ پہلا سبب

یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ امتِ محمدیہ میں سب سے پہلا فتنہ جس نے سر اٹھایا وہ خارجیوں کا فتنہ ہے اسی فتنہ سے ٹکرا کر مسلمانوں کے اتحاد کی چٹان ٹکڑے ٹکڑے ہوئی، چنانچہ ان خارجیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ سے بے تعلقی کا صاف اعلان کر دیا اور حضرت معاویہ،

حضرت علی، شرکاء جنگ جمل اور تحکیم (ثالثی) کو تسلیم کرنے والے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر قرار دیدیا، اس تکفیر کے نتیجہ میں ان تمام صحابہ کی احادیث جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہیں ان کو صحیح ماننے سے بھی انکار کر دیا (کہ راوی حدیث کے لیے مسلمان ہونا اوّلین شرط ہے اور یہ سب کافر ہیں) اور اس طرح انکار حدیث وسنت کی تخم ریزی شروع ہوگئی۔

۲۔دوسرا سبب

پھر اس خارجیوں کے فتنہ کے بالمقابل شیعیت کے فتنہ نے سر اٹھایا حالانکہ شیعیت کا فتنہ ایک سیاسی ہتھکنڈا (اسٹنٹ) تھا (کہ حب آل رسول کے نام سے ہی اقتدار کی باگ ڈور کسی طرح شیعوں کے ہاتھ آجائے) پھر انہی شیعوں میں سے سبائی رافضیوں کا گروہ منظر عام پر آیا انہوں نے حضرت علیؓ کے ماسوا تینوں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور چند طرفداران علی جن کی تعداد میں خود شیعوں کا بھی اختلاف ہے کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر قرار دیدیا، اس فتنہ کا فطری نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان چند رواۃ ـــــــــــــــ کے علاوہ جو ان کے حامی اور طرفدار تھے باقی تمام صحابہ کی حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا (کہ یہ سب کافر ہیں)۔

۳۔ تیسرا سبب

اس کے بعد (۲ ہجری کے آخر میں) اعتزال (عقلیت پرستی) کا دور آیا چنانچہ اس عقلیت پرستی کے تسلط نے معتزلہ کو ان تمام حدیثوں میں تاویلیں کرنے پر (اور تاویل نہ ہو سکنے کی صورت میں ان کو صحیح ماننے سے انکار کرنے پر) مجبور کر دیا جن کو انہوں نے اپنے عقلی معتقدات کے خلاف محسوس کیا، عباسی خلیفہ مامون کے عہد میں جبکہ یونانی فلسفہ کی کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر منظر عام پر آئیں، مذہب اعتزال نے مامون کی سر پرستی میں بڑا فروغ حاصل کیا۔

۴۔ چوتھا سبب

جب خوارج اور معتزلہ دونوں نے اپنے اپنے معتقدات میں غلو کی بنا پر اعمال کو ایمان کا جزء اور رکن قرار دیدیا تو ردعمل کے طور پر ان کے مقابلہ میں مرجئہ کا گروہ اور ارجاء کا عقیدہ منظر عام پر آیا، مرجئ نے اس عقیدہ میں اتنا غلو کیا کہ صاف کہہ دیا: **لا تضر مع الایمان معصیة کما لا تنفع مع الکفر طاعة**

ترجمہ: ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت ضرر نہیں پہنچاتی جیسے کہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی بھی طاعت نفع نہیں پہنچاتی۔

اس عقیدہ کے نتیجہ میں مرجئہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تمام حدیثوں کو ماننے سے انکار کر دیا جن میں کبیرہ گناہوں اور معصیتوں کے

ارتکاب پر عذاب جہنم کی وعیدیں مذکور ہیں۔

۵۔ پانچواں سبب

اسی زمانہ میں مشہور گمراہ اور غالی شخص جہم بن الصفوان الراسبی جو بعد میں قتل کر دیا گیا کا متبع فرقہ جہمیہ منظر عام پر آیا، اور صفات باری تعالیٰ پر مشتمل احادیث کا اور روزانہ وجود میں آنے والی جزئیات اور حوادث وواقعات سے متعلق باری تعالیٰ کے علم قبل از وقوع کی احادیث کا انکار کر دیا، خلق قرآن (قرآن کریم کے مخلوق ہونے) کا فتنہ اور جبر (بندہ کے مجبور محض ہونے) کا عقیدہ بڑے زور شور سے منظر عام پر آیا، نیز انہوں نے کفار کے ''خلود فی النار'' (دائمی طور پر جہنمی ہونے) کا بھی جوامت کا اجماعی عقیدہ تھا صاف انکار کر دیا۔

الغرض یہ خارجی قدری (معتزلی) شیعہ، مرجئہ جہمیہ، وہ بڑے بڑے گمراہ فرقے ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں نمودار ہوئے (اور انہوں نے اسلامی عقائد کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا انہی فرقوں نے اپنے اپنے اعتقادات کی حمایت کی غرض سے اپنے معتقدات کے مخالف احادیثِ صحیحہ کو ماننے سے انکار کر دیا اور انہی کی بدولت انکارِ حدیث کا فتنہ ایک مستقل فتنہ کی صورت میں وبا کی طرح پھیل گیا۔

یہ ہے انکارِ سنت وحدیث کی یا ان میں تحریف وتصرف اور خودساختہ تاویلوں کا

دروازہ کھولنے کی تاریخ اور اس کے وجوہ واسباب، ان خارجیوں، قدریوں، شیعوں، جہمیوں وغیرہ فرقوں نے ساری ہی حدیثوں کا انکار نہیں کیا نہ ہی ان کے لیے یہ ممکن تھا (کیونکہ یہ فرقے اپنے اپنے مسلک اور معتقدات کو حدیثوں سے ہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ یہ فرقے صرف اپنے خلاف حدیثوں ہی کا انکار کرتے تھے) لیکن انہوں نے ایک ایسے راستے کی داغ بیل ڈالدی جس پر چل کر ملحدوں اور زندیقوں نے دینی عقائد واحکام سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی غرض سے علی الاعلان تمام ہی حدیثوں کا انکار کرنے اور الحاد و بے دینی کو فروغ دینے کا دروازہ چوپٹ کھول دیا۔

فتنۂ مغربیت (ص:۹۸)

''مجمع الزوائد'' میں حافظ نور الدین ہیثمیؒ نے بحوالہ ''معجم طبرانی'' ایک حدیث بروایت عصمۃ بن قیس سلمی صحابی نقل کی ہے:

اِنَّہٗ کَانَ یَتَعَوَّذُ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَشْرِقِ قِیْلَ فَکَیْفَ فِتْنَۃُ الْمَغْرِبِ ؟ قَالَ تِلْکَ اَعْظَمُ وَاَعْظَمُ:

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ مشرق سے پناہ مانگا کرتے تھے آپ سے دریافت کیا گیا کہ مغرب میں بھی فتنہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ وہ تو بہت ہی بڑا ہے بہت ہی بڑا ہے۔

یقین سے تو نہیں کہا جا سکتا کہ آپ کی مراد فتنہ مغرب سے کیا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ سقوطِ اندلس کی طرف اشارہ ہو کہ وہاں اسلام کا پورا بیڑہ ہی غرق ہو گیا اور نام کا مسلمان بھی کوئی اس ملک میں نہ رہا تمام ملک پر کفر کا استیلاء ہو گیا، لیکن ہوسکتا ہے کہ بلادِ مغرب کے اس ''فتنہ استشراق'' کی طرف بھی اشارہ ہو کہ الحاد وتحریف کا یہ فتنہ مغربی دروازوں سے ہی تمام دنیا کے مسلمان ملکوں میں داخل ہوگا جو سب فتنوں سے زیادہ خطرناک اور عالم گیر ہوگا، بہر حال الفاظِ حدیث کے عموم میں تو یہ داخل ہے ہی۔

الغرض اس دور میں یہ علمی و عملی فتنے پورے زور وشور اور طاقت وقوت کے ساتھ اسلامی ممالک میں پھیل رہے ہیں، ہمارا ملک نسبتاً ان سے مامون [illegible] تھا لیکن کچھ تو جدید تعلیم کے اثرات سے کچھ مستشرقین کی وسیسہ کاریوں سے نیز مواصلات کی آسانیوں سے اور مال ودولت کی فراوانی سے اب تو یہ ملک کچھ بعید نہیں کہ اس معاملہ میں دوسرے ملکوں سے گوئے سبقت لے جائے (ص:۹۹)۔

عصر حاضر میں تو دنیائے اسلام کے گوشے گوشے میں فتنوں کا ایک ''سیلاب'' اُمڈ آیا ہے، علمی، عملی، دینی، اخلاقی، معاشرتی اور تمدنی اتنے فتنے ظاہر ہو چکے ہیں کہ عقل حیران ہے اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے:

”لتتبعن سنن من کان قبلکم ذراعا بذراع وشبرا بشبر حتی لو دخل احدھم جحر ضب لدخلتموہ“۔

یعنی تم بھی پہلی امتوں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے نقش قدم پر چل کر رہو گے اور ان کے اتباع میں اتنا غلو ہو جائے گا کہ اگر بالفرض کوئی کسی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے یعنی فضول ولایعنی اور عبث حرکات میں بھی ان کا اتباع کرو گے۔

آج جب ہم دنیائے اسلام کا جائزہ لیتے اور مسلمانوں کے تمدن ومعاشرت کو دیکھتے ہیں تو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کو پوری تصدیق ہو جاتی ہے، مسلمانوں کے موجودہ معاشرے کو جب دیکھتے ہیں خصوصاً بلاد عربیہ اسلامیہ کا جب جائزہ لیتے ہیں تو بے حد افسوس ہوتا ہے کہ بمشکل کوئی خدوخال ایسا نظر آتا ہے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ یہ مسلمان ہیں ”مغربیت“ کے اس سیلاب میں اس طرح بہہ جانا انتہائی دردناک ہے، پھر کاش یہ مغربیت اور یورپ پرستی ظاہر تک ہی منحصر ہوتی، اب تو یہ زہر ظاہر سے تجاوز کر کے باطن تک سرایت کر چکا ہے، خیالات، افکار، نظریات، احساسات سب ہی میں یورپ کا چربہ اتارا جانے لگا ہے، مسلمان ملکوں کی یہ تباہی وبربادی دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے، ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں

؎ لِمِثْلِ هٰذَا یَذُوبُ الْقَلْبُ عَنْ کَمَدٍ ★ اِنْ کَانَ فِی الْقَلْبِ اِسْلَامٌ وَّ اِیْمَان

ترجمہ: اگر دل میں ذرا بھی ایمان و اسلام ہو تو ان جیسے حالات کو دیکھ کر غم سے دل پھگل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے (ماخوذ از عصر حاضر کے فتنے: سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ ص:۱۶)

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

کیا جاوید احمد غامدی کو اجتہاد کا حق حاصل ہے؟

ہر آدمی پر وساوس کی کثرت سے ایک رنگ چڑھ جاتا ہے پھر یہ وساوس اس شخص کے خیالات اور اس کے تفکرات اور رجحانات کو متاثر کر دیتا ہے پھر وہ شخص عُجب اور پندار اور خود پسندی کا شکار ہو جاتا ہے اس موقع پر مرکزِ وساوس شیطان لعین اس کا پیچھا کرتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں دن رات ایسے ایسے جدید نکتے اور جدید علمی حقائق القاء کرتا رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ شخص سمجھ بیٹھتا ہے کہ وہ اجتہاد کے کسی اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا ہے پھر وہ قلم اٹھاتا ہے اور قرآن و حدیث کے نصوص اور احکام کو تختۂ مشق بناتا ہے اور ابلیس لعین اپنے القائات کو مزید تیز کرتا رہتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے {وان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم وان اطعتموھم انکم لمشرکون} (انعام:۱۲۱) ترجمہ: اور

شیاطین اپنے دوستوں کو القاءات کرتے رہتے ہیں تا کہ وہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم نے شیاطین کی اطاعت کی تو بے شک تم مشرک بن جاؤ گے۔ پھر یہ شخص دین اسلام کے مسلمات کو نیا رخ دیکر نئے ڈھپ پر لاتا ہے اور ایک فتنہ کھڑا کر دیتا ہے۔

جاوید احمد غامدی اور ان کے شاگردوں کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے اور ان کے پیشرو اس قسم کے وسواسی لوگوں کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا ہے اس قسم کے لوگ اپنے بارے میں بہت بڑی خودرائی پندار اور اعجاب بالرائے کے شکار ہوتے ہیں یہاں تک کہ درجۂ اجتہاد کے منصب سے بڑھ کر ان میں سے بعض نے تو نبوت کا دعویٰ کیا میں آگے اجتہاد سے متعلق کچھ لکھنے سے پہلے غامدی صاحب سے کہتا ہوں کہ اس وقت مجتہدین مٹی کے نیچے قبروں میں مدفون ہیں آپ مجتہد نہیں ہیں اور نہ امت کو آپ کے اجتہادات کی ضرورت ہے خود اپنے آپ میاں مٹھو بننے کی کوشش نہ کریں۔

حکایت: ہمارے ہاں بٹگرام میں ایک شخص کا نام فیض محمد ہے مالی پریشانیوں نے جب اس کو بہت تنگ کیا تو وہ وساوس کا شکار ہو گیا اور اس نے علی الاعلان کہہ دیا کہ میں ''گورنمنٹ ہوں'' میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں کاغذ کے ٹکڑے ہوتے تھے اور وہ اس پر لکھتا رہتا تھا کہ میں وزیر اعلیٰ کو حکم دیتا ہوں کہ

اتنے کروڑ روپے فلاں کو دیدو اور اتنے کروڑ فلاں کو دیدو، وہ خط نہیں لکھ سکتا تھا صرف انگریزی میں ہند سے لکھ کر آرڈر جاری کرتا تھا گاؤں کے لوگوں کے ہاں اس کا نام ہی گورنمنٹ چچا پڑ گیا اس وقت وہ شخص لاہور میں کہیں چوکیدار ہو گیا ہے۔ میں غامدی صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ بھی گورنمنٹ چچا نہ بنو وقت کے سارے علماء عقلاء عرفاء اور ارباب نظر کہتے ہیں کہ آپ غلط راستے پر چل پڑے ہو اور آپ بضد ہیں کہ میں صحیح راستہ پر ہوں ادھر دنیا کے سارے اہل باطل نے آپ کو خوش آمدید کہا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ واقعی غلطی کر رہے ہو، علماء کی نصیحت کے باوجود باز آجانے کے بجائے آپ مزید غلطیوں میں غوطے کھا رہے ہو اور دوسروں کو غلط کہہ رہے ہو۔ اور دین اسلام کو لاوارث لاش سمجھ کر اسے بھمبھوڑ رہے ہو لیکن یاد رکھو یہ دین لاوارث نہیں ہے اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو اس کا محافظ ہے ''اِنَّ لِلْاِسْلَامِ رَبًّا یَحْمِیْهِ''

ایک ضابطہ علماء نے لکھا ہے کہ جب عمل میں آدمی غلطی کرتا ہے تو وہ کسی وقت توبہ کر کے ہدایت پر آسکتا ہے لیکن جب علم غلط ہو جاتا ہے تو آدمی ایسا گمراہ ہو جاتا ہے کہ ہدایت پر آنے کا امکان ختم ہو جاتا ہے دیکھو روافض کا علم غلط ہو گیا ہے قادیانیوں اور آغا خانیوں کا علم غلط ہو گیا ہے۔ ذکریوں کا علم غلط ہو گیا ہے ہندوؤں اور سکھوں کا علم غلط ہو گیا ہے تو وہ اپنی گمراہی سے پیچھے ہٹنے کا نام ہی

نہیں لیتے ہیں غامدی صاحب اوران کے شاگردوں کا اجتہاد کے میدان میں علم غلط ہوگیا ہے دین اسلام کے ابتدائی اساسی نقشہ میں بھی ان کا علم غلط ہوگیا ہے اورانہوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ دین بے شک دین برحق ہے لیکن اس کے بہت سارے احکامات دوراول کے صحابہ کرام کے لیے تھے ہمیشہ کے لیے نہیں اور اصل رسالت حضرت ابراہیم کی ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم بطور مجدد تشریف لائے ہیں اس قسم کے دیگر خطرناک دعاوی بھی ہیں جو میں آیندہ لکھوں گا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غامدی صاحب اپنے آپ کو مجتہد سمجھتا ہے اوراپنے اجتہاد پر جما ہوا کھڑا ہے لہٰذا سردست اجتہاد کی تعریف وشرائط اوراس کے مقام کو واضح کرنا ضروری ہے۔

اجتہاد کا مقام

شریعت میں اجتہاد کا بہت بڑا مقام ہے لیکن اجتہاد کا ایک تعارف اور پہچان ہے اوراس کے لیے چند شرائط ہیں ہر آدمی اجتہاد کی اہلیت نہیں رکھتا اگر چہ وہ بزعم خود اپنے آپ کو بڑا مجتہد سمجھتا ہو۔

چنانچہ الوجیز میں اجتہاد کی تعریف یہ لکھی ہے: **هو بذل المجتهد وسعه في طلب العلم بالاحكام الشرعية بطريق الاستنباط: (الوجيز)**

یعنی بطور استنباط احکام شرعیہ کے حاصل کرنے میں مجتہد کی پوری کوشش کا نام

اجتہاد ہے۔ قواعد الفقہ میں اجتہاد کی تعریف اس طرح ہے: **هو فی الاصطلاح استفراغ الفقیه الوسع لیحصل به الظن بحکم شرعی**
(قواعدالفقه: ۱۶۰)

یعنی فقیہ کی انتہائی کوشش کرنا تا کہ اس کو شرعی حکم کا ظن غالب حاصل ہو جائے۔
قاموس الوحید میں علامہ وحیدالزمان کیرانویؒ نے اجتہاد کی اردو تعریف اس طرح کی ہے ''اجتہاد ماہر فقیہ کی اس آخری کوشش کا نام ہے جو کسی معاملہ میں حکم شرعی کا ظن غالب حاصل کرنے کیلئے کی جائے (القاموس الوحید: ص:۲۹۰)
ان تعریفات میں حکم شرعی حاصل کرنے کی قید لگی ہوئی ہے اگر کوئی شخص حکم شرعی کی غرض سے نہیں بلکہ لغوی حسی یا عقلی احکام سے واقفیت کے حاصل کرنے کی غرض سے اجتہاد کرتا ہے تو وہ اجتہاد نا قابل اعتبار ہوگا آج کل ماڈرن طبقہ اجتہاد کرنے کا زور لگا تا ہے ان کا مقصد حکم شرعی حاصل کرنا نہیں ہوتا بلکہ غیر شرعی حکم تلاش کرنے کے لیے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتا ہے غامدی صاحب اور ان کے شاگرد اجتہاد کی اسی وادی میں سرپٹ دوڑ رہے ہیں انہوں نے اپنے اس مکروہ اجتہاد کے ذریعہ سے دسیوں غیر شرعی احکامات کا استنباط کیا ہے۔ تعجب اس پر ہے کہ غامدی صاحب اور ان کے شاگردوں کو دین اسلام میں نقب زنی اور اس کے احکام کی تغلیط ہی نظر آ رہی ہے جب بھی قلم اٹھاتے ہیں کسی اسلامی

حکم کے خلاف ہی لکھتے ہیں کیا اسلام کی خدمت کا یہی پہلو ان کو نظر آ رہا ہے خدمت کا کوئی اچھا پہلوان کو نظر ہی نہیں آ رہا ہے۔

چنانچہ غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''میزان'' کا تعارف اس طرح کیا ہے ''اسلام کو جس طرح میں نے سمجھا ہے یہ اس کا بیان ہے (غامدی علماء کی نظر میں ص:۱۴۱)

غامدی نے مزید لکھا ہے کہ کم وبیش ربع صدی کے مطالعہ وتحقیق سے میں نے اس دین کو جو کچھ سمجھا ہے وہ اپنی کتاب میزان میں بیان کر دیا ہے اس کی ہر محکم بات کو پرودگار کی عنایت اور میرے جلیل القدر استاد امام امین احسن اصلاحی کے فیض تربیت کا نتیجہ سمجھئے (دیباچہ اخلاقیات)

انہیں نا اہل لوگوں کے مجتہد بن بیٹھنے کے بارے میں علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں اجتہاد سے متعلق فیصلہ کن رائے لکھی ہے فرماتے ہیں ''اسلامی ممالک میں لوگوں نے انہیں چاروں اماموں کی تقلید پر قناعت کیا ہے اور دیگر اماموں کی تقلید کرنے والوں کا نام ونشان باقی نہ رہا لوگوں نے اختلاف مسالک کا دروازہ بند کر دیا کیونکہ علوم کی اصطلاحات کی کثرت ہوگئی اور اجتہاد کے مقام تک پہنچنے کے لیے لوگوں میں صلاحیت نہیں رہی اور اس لیے بھی کہ ہر کس وناکس مجتہد نہ بن بیٹھے۔ اس لیے صراحت سے کہہ دیا کہ اب لوگ اجتہاد کی صلاحیت سے عاجز ہیں اور سب تقلید کے لیے مجبور ہیں (مترجم مقدمہ ابن خلدون)

علامہ مزید لکھتے ہیں آج فقہہ کا بس اتنا ہی مفہوم ہے اگر آج کوئی مجتہد بن بیٹھے تو اس کے اجتہاد کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا اور نہ اس کی تقلید پر کوئی آمادہ ہوگا آج دنیا کے تمام مسلمان انہیں چار اماموں کی تقلید کی طرف لوٹ گئے ہیں۔

(مقدمہ ابن خلدون مترجم: ۴۴۳)

علامہ ابن خلدون کی ایک عربی عبارت ملاحظہ ہو فرماتے ہیں:

''ومدعی الاجتہاد لھذا العھد مردود علی عقبہ ومھجور تقلیدہ وقد صار اھل الاسلام الیوم علی تقلید ھؤلاء الائمۃ الاربعۃ''۔

(مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص: ۴۴۸)

ترجمہ: اس دور میں اجتہاد کا دعویٰ کرنے والا پیچھے دھکیل دیا گیا ہے اور اس کی تقلید ترک کردی گئی ہے اور آج کے مسلمان ائمہ اربعہ کی تقلید پر جمع ہو چکے ہیں۔

ابن خلدون کے کلام سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اس پر سینکڑوں سال سے پہلے اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

علماء امت اور فقہاء ملت نے اجتہاد کی اہلیت کے لیے جو شرائط مقرر کی ہیں اس کی کچھ تفصیل اسطرح ہے۔

(۱) عربی زبان میں مہارت: اس شرط کی ضرورت اس لیے ہے کہ

اسلامی شریعت کی زبان عربی ہے اور قرآن وحدیث کی زبان فصاحت وبلاغت آسمانِ عروج پر ہے اس لیے جب تک کوئی مجتہد عربی زبان کے مختلف اسالیب، محاورات اور ضرب الامثال کو اچھی طرح نہیں سمجھتا وہ قرآن وحدیث کے مفاہیم اور عبارتوں کی تلمیحات واشارات وامثال کو کیسے سمجھ سکتا ہے۔

(۲) قرآن حکیم کا علم: اجتہاد کے لیے یہ شرط اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کریم ہی اصل الاصول ہے اور ہر دلیل کا مرجع ہے قرآن کے علم کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کو یہ معلوم ہو کہ قرآن حکیم میں کتنی آیات احکام سے متعلق ہیں ناسخ اور منسوخ کیا ہے اور احکامات کے اسباب نزول کیا ہیں۔

(۳) سنت کا علم: اس کا مطلب یہ ہے کہ مجتہد کو احادیث میں صحیح اور ضعیف کی پہچان ہو راویوں کا حال جانتا ہو جرح وتعدیل کا علم رکھتا ہو احادیث کو ایک دوسرے پر ترجیح کے قواعد کا علم رکھتا ہو اور ناسخ ومنسوخ کے اصول کو جانتا ہو۔

(۴) اصول فقہ کا علم: مجتہد کے لیے اصول فقہ کا علم اس لیے ضروری ہے کہ اس علم کے ذریعہ سے وہ شرعی دلائل اور اس کے مآخذ ومصادر اور احکام کے استنباط کے طریقے جان لیتا ہے۔

(۵) مواقع اجماع کا علم: یہ شرط اس لیے ضروری ہے تا کہ مجتہد کی نظر اس

پر ہو کہ شرعی احکام میں کہاں کہاں علماء کا اجماع منعقد ہوا ہے تا کہ یہ مجتہد ایسے حکم کا استنباط نہ کرے جو علماء کے اجماع کا خلاف ہو۔

(۶) مقاصد شریعت کا علم: یہ شرط اس لیے ضروری ہے کہ شریعت میں احکام کی علتوں اور لوگوں کی مصلحتوں کا جو خیال رکھا گیا ہے وہ مجتہد کی نظر میں ہو وہ عوام کے عرف و عادت سے واقف ہو کیونکہ لوگوں کے مصالح کی رعایت ان چیزوں کے جاننے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور لوگوں کے مصالح کی رعایت شریعت کے مقاصد میں سے ہے۔

(۷) فطری استعداد: یہ شرط اس لیے ہے کہ فطری صلاحیت اگر مجتہد میں نہ ہو صرف علمی ردّ وکد سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے ہیں جو ایک مجتہد کے لیے ضروری ہے یہاں زور قلم اور قلمکاری و مضمون نگاری نہیں بلکہ ٹھوس اور سلیم فطرت کی ضرورت پڑتی ہے۔

مندرجہ بالا سات شرائط عام فقہائے کرام نے مقرر کی ہیں لیکن علامہ آمدی نے **مناھج الاجتھاد** ص:۳۶۱ پر ایک بنیادی شرط لکھی ہے وہ یہ کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ پر اس کے رسول پر اور یوم آخرت پر کامل اور مکمل ایمان ہو اور اس کو ضروریاتِ دین کے تمام امور کا علم ہو اور وہ جانتا ہو کہ اس کے بغیر آدمی مسلمان نہیں ہو سکتا ہے۔اھ

امام غزالی رحمہ اللہ نے ایک اضافی شرط لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ متقی اور پرہیزگار ہو عادل ہو اور ہر ایسی بات سے بچنے والا ہو جو افتاء اور قضاء کے منصب پر فائز کسی بھی شخص کو مجروح و متہم کرنے والی ہو۔

بہر حال ان شرائط اور تعریفات کا اکثر حصہ مولانا ڈاکٹر محمد میاں صدیقی کی کتاب ''ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد'' باب ۵ صفحہ ۱۶۰ تا صفحہ ۱۶۷ سے بطور خلاصہ لیا گیا ہے اس بحث کے لکھنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ آج کل اجتہاد کے شوقین دعویداروں کی آنکھیں کھل جائیں کہ اجتہاد کا میدان کیا ہے اور یہ بے چارے کس گلی میں بند پڑے ہیں واللہ الموفق وھو یھدی السبیل۔

جاوید احمد غامدی کا منشور

میرے پاس غامدی صاحب کا یہ منشور تقریباً دس بارہ سال سے پڑا ہے میں نے اس کو صندوقچہ میں رکھا تھا ذہن میں یہی بات تھی کہ میں کسی وقت اس کو مسلمانوں کے سامنے لاؤں گا اب تک اس مقالہ میں جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ اس منشور کے دفعات کو ظاہر کرنے کے لیے بطور تمہید تھا اب منشور اور اس کے چند دفعات قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں قابل گرفت ہر دفعہ پر تبصرہ ہوگا۔

غامدی صاحب کا یہ منشور ۱۹ صفحات پر مشتمل ہے

ابتدائی صفحہ پر جلی حروف میں لکھا ہے ''منشور'' نیچے لکھا ہے جاوید احمد غامدی صفحہ

کے دائیں طرف لکھا ہے ''اعلان جنگ دور حاضر کے خلاف'' منشور کے آخری صفحہ پر لکھا ہے (۹۸ (۲) ای ماڈل ٹاؤن لاہور) طباعت کی تاریخ نہیں ہے۔

یاد رکھنے کی بات ہے کہ منشور کسی بھی آدمی یا تنظیم کے دل کی آواز ہوتی ہے منشور ہی پوری تحریک کا خلاصہ اور نچوڑ ہوتا ہے منشور ہی آدمی کے دماغ اور ذہنی رجحانات کا عکاس ہوتا ہے جاوید غامدی کا منشور ان کے عقائد اور ان کے احساسات کا ترجمان ہے تو لیجئے اس کو پڑھ لیجئے اور دیکھ لیجئے کہ غامدی صاحب منشور تیار کرتے وقت بہت پہلے جب پردوں کے پیچھے ایسا تھا تو اب وہ کیسا ہوگا

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

اس منشور کے پانچ بڑے عنوانات ہیں جس کے نیچے کئی کئی دفعات ہیں بڑے عنوانات یہ ہیں

(۱) سیاسی سطح پر (۲) معاشی سطح پر (۳) معاشرتی سطح پر (۴) تعلیم و تعلم (۵) حدود و تعزیرات۔

ان عنوانات کی ابتدا میں غامدی صاحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ زور قلم دیکر ایک اعلان کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں، ہمارا یہ منشور درحقیقت ایک اعلان جنگ ہے دور حاضر کے خلاف، اس کے ذریعے سے ہم چاہتے ہیں کہ حق اپنی ضرب کلیمی کے ساتھ نمودار ہو اور ائمہ مغرب نے سیاست، معیشت، معاشرت

اصول وعقائد اور علم وتحقیق میں حکمتِ فرعونی کے جو پیکر اس زمانے میں تخلیق کیے ہیں وہ سب بالکل پاش پاش کر دیئے جائیں اپنے اس مقصد کی تفصیل ہم اس طرح کرتے ہیں۔

(ا) ''سیاسی سطح پر'' اس عنوان کے تحت اصلاحی دفعات ہیں قابل گرفت کوئی چیز نہیں ہے البتہ اس عنوان کے دفعہ ۳ میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ معروف کی ترویج اور منکر کا استیصال (منشور ص:۶)

تبصرہ: میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے معروف کی ترویج کے لیے کیا اقدامات کیے ہیں اور منکر کا کونسا استیصال کیا ہے؟ معروف کے میدان میں اسلامی وضع قطع، نمازیں، روزہ، حج اور زکوۃ ہیں تہجد اور تلاوت قرآن ہے بناء مساجد ومدارس ہیں اور جہاد ہے ان میدانوں میں تو آپ نظر نہیں آتے ہیں نہ معلوم معروف کی ترویج کہاں ہو رہی ہے؟ یا صرف قلمکاری اور مضمون نگاری کی بازیگری دکھانے کی حد تک یہ لکھ دیا۔

باقی منکر کے استیصال کا آپ کس منہ سے کہتے ہو ڈاڑھی آپ کی نہیں ہے اور اس کے سنت ہونے کا انکار بھی کرتے ہو جو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام کی سنت ہے اور ڈیڑھ لاکھ صحابہ کرام کی سنت ہے جو واجب کے درجہ میں ہے اگر چہ سنت سے ثابت ہے ٹی وی میں آ کر فیشن ایبل عورتوں کی جھرمٹ میں گھومتے جھومتے

ہو گیا منکر کا استیصال اس طرح ہوتا ہے یا منشور میں لکھ کر ملبہ دوسروں پہ ڈالا خود بری الذمہ ہو گیا

حافظ شیرازی نے شاید اسی پس منظر کے حق میں کہا تھا۔

درکوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادی گر تو نمی پسندی تغییر کن قضاء را

نیکی کے راستوں میں مجھے گزرنے کی توفیق نہیں دی اگر تجھے یہ پسند نہیں ہے تو تقدیر کو بدل ڈالو

اس عنوان کے تحت دفعہ ۵ میں مساجد کے انتظامات کے حوالہ سے غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ ''ہر صاحب علم کو حق حاصل ہو کہ وہ جس مسجد میں چاہے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق تعلیم وتدریس اور اصلاح وارشاد کی مجالس منعقد کرے (منشور ص:٦)

تبصرہ: یہ بات تو بہت اچھی ہے لیکن کیا یہ صرف لکھنے کی حد تک ہے یا زمینی حقائق میں اس کا امکان بھی ہے اس کے لیے موجودہ دور میں یا تو طالبان کی حکومت کا قیام ضروری ہے کہ سب انسان ایک اتحاد اور ایک نقطۂ اعتقاد پر جمع ہو جائیں اور یا اس کے لیے ضروری ہے کہ سب لوگ سیکولرازم اور وحدتِ ادیان پر جمع ہو جائیں غامدی صاحب طالبان حکومت کے لیے تو قطعاً تیار نہیں ہے تو شاید ان کے ذہن میں وحدتِ ادیان کا ملحدانہ تصور ہوگا ورنہ موجودہ

صورت حال میں اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے سے وہ انتشار آجائے گا جو خانہ جنگی کا پیش خیمہ بنے گا خود غامدی صاحب ملائشیاء میں ہوگا اور یہاں پاکستان کے لوگ دست وگریباں ہونگے۔

(۲) معاشی سطح پر: اس عنوان کے تحت غامدی صاحب نے اچھی تجاویز پیش کی ہیں لیکن اس کے دفعہ ۵ کے ضمن میں اس نے زکوۃ کو گھسیٹ کر لایا ہے لکھتا ہے کہ زکوۃ کے بارے میں یہ چھ باتیں البتہ ہر حال میں ملحوظ رہیں (ا) ایک یہ کہ زکوۃ کے مصارف پر تملیک ذاتی کی جو شرط ہمارے فقہاء نے عائد کی ہے اس کے لیے کوئی مأخذ قرآن وسنت میں موجود نہیں ہے۔ چنانچہ زکوۃ جس طرح فرد کے ہاتھ میں دی جاسکتی ہے اسی طرح اس کی بہبود کے کاموں میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے (منشور ص:۱۰)

تبصرہ: سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب کے پاس کونسی اتھارٹی ہے جو امت کے سارے فقہاء کے اجماعی فیصلے کو چلنج کرتا ہے؟ جن فقہاء نے صحابہ کا دور دیکھا اور وہ تابعین بنے یا تابعین کا دور دیکھا اور تبع تابعین بنے۔ پھر اجتہاد واستنباط کے اعلیٰ مقام پر فائز ہوئے علم وعمل کے پہاڑ بن کر امت کے لیے مذہبی پیشوا اور مقتدا بنے ان کا فتویٰ اور قول واستدلال امت کے لیے خود ایک دلیل اور مأخذ ہے غامدی کی کیا حیثیت ہے کہ امت کے ان مقدس طبقات کو پھلانگ کر

اپنی خودساختہ رائے کی طرف چھلانگ لگادے امت کے فقہاء نے کہا کہ قرآن کی آیت {انما الصدقات للفقرائ} میں لام تملیک کے لیے ہے غامدی صاحب کہتا ہے کہ سارے فقہاء غلط کہتے ہیں کیونکہ قرآن میں کوئی ماٗخذ موجود نہیں ہے امت کے فقہاء اور مفسرین فرماتے ہیں کہ {و اٰتوا الزکوۃ} میں ایتاء اعطاء کے معنی میں ہے اور اعطاء میں تملیک کا مفہوم پڑا ہے غامدی صاحب کہتے ہیں کہ فقہاء غلط کہتے ہیں قرآن میں اس طرح ماٗخذ کی گنجائش نہیں ہے۔

شارحین حدیث کہتے ہیں کہ حدیث میں ہے کہ زکوۃ کا قاعدہ اس طرح ہے کہ توخذ من اغنیائھم و ترد الی فقرائھم (بخاری) یعنی زکوۃ مسلمانوں کے مالدار لوگوں سے لی جائے گی اور مسلمانوں کے غریبوں کو لوٹا دی جائے گی اس دینے میں تملیک کا مفہوم ملحوظ ہے لہٰذا زکوۃ میں تملیک ضروری ہے غامدی صاحب کہتا ہے کہ حدیث وسنت میں کوئی ماٗخذ موجود نہیں ہے میں کہتا ہوں پوری امت اور جمہور فقہاء کے اجماعی موقف کو اس ڈھٹائی کے ساتھ ٹھکرانے کا حق غامدی صاحب کو کس نے دیا ہے اگر وہ اجتہاد کا دعویٰ رکھتا ہے تو ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ مجتہد نہیں ہے نیز اجتہاد شریعت کے کسی حکم کو قرآن وحدیث کی روشنی میں اصلاح تلاش کرنے کے لیے ہوتا ہے شریعت میں فساد اور بگاڑ پیدا کرنے کے لیے اجتہاد نہیں ہوتا مزید یہ کہ زکوۃ کی تملیک کے متفقہ فیصلہ کو رد

کرنے کے لیے غامدی کے پاس قرآن وحدیث میں کونسا مأخذ ہے؟ صرف لفاظی اورعیاری ومکاری کے ساتھ تمام فقہاء کو مشکوک بنانا کیا کوئی صالح فکر ہے یا فاسد ارادہ ہے؟

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے سورۃ توبہ کی آیت ۶۰ {انما الصدقات للفقرائ} کی تفسیر میں تملیک زکوۃ پر بھرپور عمدہ کلام کیا ہے اسی کو یہاں نقل کرتا ہوں۔

مسئلہ تملیک زکوٰۃ

جمہور فقہاء اس پر متفق ہیں کہ زکوۃ کے معینہ آٹھ مصارف میں بھی زکوۃ کی ادائیگی کے لیے یہ شرط ہے کہ ان مصارف میں سے کسی مستحق کو مال زکوۃ پر مالکانہ قبضہ دیدیا جائے، بغیر مالکانہ قبضہ دیئے اگر کوئی مال انہی لوگوں کے فائدے کے لیے خرچ کردیا گیا تو زکوۃ ادانہیں ہوگی، اسی وجہ سے ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء امت اس پر متفق ہیں کہ رقم زکوۃ کو مساجد یا مدارس یا شفاخانے، یتیم خانے کی تعمیر میں یا ان کی دوسری ضروریات میں صرف کرنا جائز نہیں، اگرچہ ان تمام چیزوں سے فائدہ ان فقراء اور دوسرے حضرات کو پہنچتا ہے جو مصرف زکوۃ ہیں، مگر ان کا مالکانہ قبضہ ان چیزوں پر نہ ہونے کے سبب زکوۃ اس سے ادانہیں ہوگی۔

البتہ یتیم خانوں میں اگر یتیموں کا کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جاتا ہے تو

صرف اس خرچ کی حد تک رقمِ زکوۃ صرف ہوسکتی ہے، اسی طرح شفاخانوں میں جو دوا حاجت مند غرباء کو مالکانہ حیثیت سے دیدی جائے اس کی قیمت رقم زکوۃ میں محسوب ہوسکتی ہے، اسی طرح فقہاء امت کی تصریحات ہیں کہ لاوارث میت کا کفن رقم زکوۃ سے نہیں لگایا جاسکتا، کیونکہ میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ رقم زکوۃ کسی غریب مستحق کو دیدی جائے اور وہ اپنی خوشی سے اس رقم کو لاوارث میت کے کفن پر خرچ کردے، اسی طرح اگر اس میت کے ذمہ قرض ہے تو اس قرض کو رقم زکوۃ سے براہ راست ادا نہیں کیا جاسکتا، ہاں اس کے وارث غریب مستحق زکوۃ ہوں، تو ان کو مالکانہ طور سے دیا جاسکتا ہے، وہ اس رقم کے مالک ہوکر اپنی رضامندی کے ساتھ اس رقم سے میت کا قرض ادا کرسکتے ہیں، اسی طرح رفاہ عام کے سب کام جیسے کنواں یا پل یا سڑک وغیرہ کی تعمیر، اگرچہ ان کا فائدہ مستحقین زکوۃ کو بھی پہنچتا ہے، مگر ان کا مالکانہ قبضہ نہ ہونے کے سبب اس سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوتی،

ان مسائل میں چاروں ائمہ مجتہدین ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور جمہور فقہاء امت متفق ہیں، شمس الائمہ سرخسی نے اس مسئلہ کو امام محمد کی کتابوں کی شرح مبسوط اور شرح سیر میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے، اور فقہاء شافعیہ، مالکیہ، حنابلہ، کی عام کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

فقیہ شافعی امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں فرمایا کہ میت کی طرف سے اس کے قرض کی ادائیگی یا اس کے دفن کے اخراجات میں اور مساجد کی تعمیر میں، نہر کھودنے وغیرہ میں مال زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ سفیان ثوریؒ اور تمام ائمہ اس پر متفق ہیں کہ اس میں خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ ان آٹھ مصارف میں سے نہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے،

(معارف القرآن جلد چہارم ص: ۴۰۹)

اسی طرح فقیہ حنبلی شیخ موفقؒ نے مغنی میں لکھا ہے کہ بجز ان مصارف کے جن کا بیان قرآن کریم میں مذکور ہے اور کسی نیک کام میں مال زکوۃ خرچ کرنا جائز نہیں جیسے مساجد یا پلوں اور پانی کے سبیلوں کی تعمیر، یا سڑکوں کی درستی یا مُردوں کو کفن دینا یا مہمانوں کو کھانا کھلانا وغیرہ جو بلاشبہ موجب ثواب ہیں، مگر مصارف صدقات میں داخل نہیں۔

ملک العلماء نے بدائع میں ادائیگی زکوۃ کے لیے شرط تملیک کی یہ دلیل دی ہے کہ قرآن میں عموماً زکوۃ اور صدقات واجبہ کا لفظ ایتاء کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جیسے {اقاموا الصلوۃ، واٰتوا الزکوۃ، اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ، اقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ، اتوا حقہ یوم حصادہ} وغیرہ اور لفظ ایتاء لغت میں عطاء کرنے کے معنی میں آتا ہے امام راغب اصفہانیؒ نے مفردات القرآن میں فرمایا: والایتاء

الاعطاء وخص وضع الصدقة فی القران بالایتاء۔ یعنی ایتاء کے معنی عطاء کرنے کے ہیں، اور قرآن میں صدقہ واجبہ ادا کرنے کو ایتاء کے لفظ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے" اور ظاہر ہے کہ کسی کو کوئی چیز عطاء کرنے کا مفہوم حقیقی یہی ہے کہ اس کو اس چیز کا مالک بنادیا جائے۔ (معارف القرآن ج ۴ ص: ۴۱۰)

اور علاوہ زکوۃ وصدقات کے بھی ایتاء قرآن کریم میں مالک بنادینے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے مثلاً {اتوا النساء صدقاتھن} یعنی دیدو عورتوں کو ان کے مہر، ظاہر ہے مہر کی ادائیگی جب ہی تسلیم ہوتی ہے جب رقم مہر پر عورت کو مالکانہ قبضہ دیدے،

دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں زکوۃ کو صدقہ کے لفظ سے تعبیر فرمایا {انما الصدقات للفقرائ} اور صدقہ کے معنی حقیقی یہی ہیں کہ کسی فقیر حاجت مند کو اس کا مالک بنادیا جائے، کسی کو کھانا کھلا دینا یا رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کردینا حقیقی معنی کے اعتبار سے صدقہ نہیں کہلاتا، شیخ ابن ہمام نے فتح القدیر میں فرمایا کہ حقیقت صدقہ کی بھی یہی ہے کہ کسی فقیر کو اس مال کا مالک بنادیا جائے اسی طرح جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ صدقہ تملیک کا نام ہے

(جصاص ص ۱۵۲ ج ۲)

بدائع الصنائع کا حوالہ

تملیک سے متعلق علامہ کاسانی نے اپنی مشہور کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے

''وقد امر اللہ تعالیٰ الملاک بایتاء الزکوۃ بقولہ واتوا الزکوۃ والایتاء هو التملیک ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکوۃ صدقه بقوله عزوجل انما الصدقات للفقراء والتصدق التملیک''۔ (ج۲ص:۳۹)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم واتوا الزکوۃ کے ذریعہ سے مالکین نصاب کو زکوۃ کا حکم دیا ہے اور ایتاء (بمعنی اعطائ) تملیک ہی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زکوۃ کا نام صدقہ رکھا ہے ارشاد ہے {انما الصدقات للفقرائ} اور تصدیق وہی تملیک ہے۔

ایک اور مقام پر علامہ کاسانی مزید لکھتے ہیں

واما رکنه فهو التملیک لقوله تعالیٰ {واتوا حقه یوم حصاده} والایتاء هو التملیک (بدائع الصنائع ج۲ ص: ۶۴)

ترجمہ: رہا زکوۃ کا اہم رکن تو وہ تملیک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا {واتوا حقه یوم حصاده} اور اس کی کٹائی کے وقت اس کا حق دو یہاں ایتاء سے مقصود ہی تملیک ہے۔

علامہ کاسانی نے تملیک کے اثبات کے لیے مندرجہ ذیل آیات کو بھی ذکر فرمایا ہے ترجمہ کی ضرورت نہیں ہے

واما النص فقوله تعالیٰ انما الصدقات للفقراء وقوله عزوجل وفی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم والاضافة بحرف اللام تقتضی الاختصاص بجهة الملک اذا کان المضاف الیه من اهل الملک (ج ۲ ص: ۴)

علامہ کاسانی کی بات روزمرہ کے محاوروں اور گفتگو کے مطابق بھی ہے مثلاً ایک آدمی نے دوسرے سے کہا میں نے یہ ہزار روپے تم کو دیدیا تو اس میں مالک بنانے کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں جب کہہ دیا کہ دیدیا تو یہی تملیک ہے۔ لہٰذا غامدی یا امین احسن اصلاحی کی بات غلط ہے کہ تملیک نص سے ثابت نہیں ہے خود نص جب تملیک کے معنی میں ہے تو مزید تصریح کلام کو حشو کی طرف لے جائے گا مثلاً یوں کہے کہ میں اس سو روپے کو تجھے بطور تملیک دیتا ہوں، اس طرح کوئی نہیں کہتا۔

غامدی صاحب کی عبارت کے آخری جملے یہ ہیں ''چنانچہ زکوۃ جس طرح فرد کے ہاتھ میں دی جاسکتی ہے اسی طرح اس کی بہبود میں بھی خرچ کی جاسکتی ہے'' ان جملوں سے غامدی صاحب نے مجتہدانہ رنگ ظاہر کر کے زکوۃ کے حساس او[illegible]ط مخصوص مال کو غی[illegible]ط بنا کر معاشرہ کے ہر فرد اور ہر کس و ناکس کے ہاتھ میں دیدیا چنانچہ غامدی نے مال زکوۃ فقراء اور مساکین کے ہاتھوں سے کھینچ کر حکومتی

اداروں اور افسروں کے ہاتھ میں دیدیا فرد کی بہبود میں تو سینمائیں شراب خانے جوا خانے پہلوانوں کے اکھاڑ خانے بھینسوں کے باڑے بازاروں میں ٹی وی مراکز ٹی وی اور ریڈیو اسٹیشن قصاب خانے اور مختلف صنعتوں کے کارخانے سکول وکالج یونیورسٹیوں کی عمارات اور شہر میں بڑی بڑی چورنگیاں اور بڑے بڑے پارک اور ورزش کے بڑے بڑے گراؤنڈ یہ سب فرد کی بہبود کی اشیاء ہیں اب غامدی صاحب بتائیں کہ اسلامی معاشرہ میں غریب طبقہ کے لیے مخصوص شدہ مال زکوۃ کہاں گئی چنانچہ آج کل غامدی کے اجتہاد کے مطابق زکوۃ کے ساتھ حکومت پاکستان یہی کھیل کھیل رہی ہے چنانچہ غامدی صاحب زکوۃ کے مصارف جس کو قرآن نے بیان کیا ہے اس کو عام کرنے اور ان مصارف میں نیا اجتہاد کر کے اسے ایک کھیل بنانے کے لیے لکھتا ہے ''تیسری بات یہ کہ زکوۃ کے جو مصارف قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں ان کے رو سے یہ صرف غرباء ومساکین ہی پر صرف نہیں کی جائے گی بلکہ اس کے ساتھ ''**العاملین علیھا**'' کے تحت اوپر سے لے کر نیچے تک ریاست کے ملازمین کے مشاہرے اور ''**المؤلفة قلوبھم**'' کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تمام سیاسی اخراجات اور ''**ابن السبیل**'' کے تحت سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کی ذمہ داریاں بھی اس کے مصارف میں شامل ہیں (منشور: ص: ۱۰)

تبصرہ: جس طرح غامدی صاحب نے اپنے منشور کے دفعہ پانچ کی ابتداء میں زکوۃ کو فرد کے ہاتھ سے نکال کر اس کی بہبود کی طرف عام کیا اور زکوۃ کو فری فنڈ کی حیثیت سے پیش کیا یہاں مصارف کے بیان میں ''العاملین علیھا'' کو اتنا عام رکھا ہے کہ زکوۃ کی شرعی حیثیت ہی گم ہوگئی حالانکہ قرآن کی آیت کے مذکورہ جملے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان اموال زکوۃ کے اکٹھا کرنے پر مقرر جو کارکن ہیں ان کارکنان کو بطور حق الخدمت زکوۃ کی رقم سے ان کی مقررہ تنخواہ دی جاسکتی ہے وہ بھی اعتدال کے ساتھ، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ حکومت کے جس شعبے میں کام کرنے والے جو ملازم ہیں اوپر سے نیچے تک سب کو زکوۃ کی رقم سے تنخواہ دی جاسکتی ہے غامدی کا مطلب تو یہ ہوا کہ حکومت کے بڑے بڑے وزراء بڑے گورنر اور ان کے ماتحت صوبے کے سارے کارندے اور ملازمین کی تنخواہیں زکوۃ کی رقم سے دی جاسکتی ہیں مثلاً سابق وزیر داخلہ رحمان ملک اور شیری رحمان جیسے ریاست کے ملازم ڈی آئی جی اور فوجی چیف آف اسٹاف اور خود نظریاتی کونسل کے سابق ممبر جاوید احمد غامدی صاحب اور نچلے طبقے تک ملک کے سارے ملازم و چپراسی خواہ وہ مسلمان ہوں یا کچھ اور ہوں سب کے سب اموال زکوۃ کو شیر مادر سمجھ کر کھا سکتے ہیں ''فیا للعجب علی ھذا المتجدد''۔

حضرات مفسرین نے ''العاملین علیھا'' کی تفسیر میں جو لکھا ہے حضرت مولانا

مفتی محمد شفیعؒ نے معارف القرآن میں بطور خلاصہ اس کو اس طرح پیش فرمایا ہے

تیسرا مصرف ''العاملین علیھا'' یہاں عاملین سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات زکوۃ وعشر وغیرہ لوگوں سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کر دیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوۃ سے دیا جائے گا

(معارف القرآن ج ۴ ص:۳۹۷)

حضرت مفتی صاحب مزید لکھتے ہیں کہ البتہ یہ ضروری ہوگا کہ عاملین کی تنخواہیں نصف زکوۃ سے بڑھنے نہ پائیں اگر زکوۃ کی وصول یابی اتنی کم ہو کہ عاملین کی تنخواہیں دے کر نصف بھی باقی نہیں رہتی تو پھر تنخواہوں میں کمی کی جائے گی نصف سے زائد صرف نہیں کیا جائے گا۔

(تفسیر مظہری وفتاویٰ ظہریہ معارف القرآن ج ۴ ص:۳۹۸)

اب ناظرین دیکھ لیں کہ مفسرین کیا لکھ رہے ہیں اور غامدی اپنے اجتہاد کے ساتھ کہاں بھٹک رہے ہیں عاملین کے لفظ میں قصدی غلطی کر کے غامدی نے عام نوکر مراد لیے۔ غامدی صاحب نے اپنے منشور:۱۰ پر ''المؤلفۃ القلوب''

کی تشریح میں لکھا ہے کہ اس کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تمام سیاسی اخراجات شامل ہیں (ص:۱۰)

تبصرہ: مؤلفۃ القلوب تالیف قلب سے ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بعض نو مسلموں کے ایمان بچانے کے لیے یا بعض سخت معاندین کے شر سے بچنے کے لیے یا بعض غیر مسلموں کو ایمان کی طرف راغب کرنے کے لیے زکوۃ کی مد سے کچھ دیا جاتا تھا لیکن اسلام کو جب اللہ تعالیٰ نے شوکت عطا فرمائی تو مؤلفۃ القلوب کا یہ مصرف حضرت عمر فاروق کے زمانہ میں موقوف ہو گیا گویا یہ حکم ایک علت کے تحت تھا جب علت نہ رہی تو حکم بھی نہ رہا البتہ بعض علماء نے اس مصرف کو منسوخ نہیں کہا ہے اور لکھا ہے کہ اگر آیندہ کمزور احوال پیدا ہو جائیں تو یہ مصرف باقی رہے گا۔

تاہم تفسیر مظہری اور تفسیر قرطبی نے واضح تصریح کی ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو جو کچھ دیا گیا تھا وہ قطعاً اموال زکوۃ سے نہیں تھا بلکہ اموال غنائم یا خمس وغیرہ سے دیا گیا تھا اور جن کو دیا گیا تھا وہ لوگ مسلمان تھے چنانچہ قرطبی میں امام قرطبی لکھتے ہیں ''وبالجملۃ فکلھم مؤمنون ولم یکن فیھم کافر ''۔یعنی خلاصہ یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب سب کے سب مسلمان ہی تھے ان میں کوئی کافر شامل نہیں تھا اسی طرح تفسیر مظہری میں بھی ہے کہ ''لم یثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اعطی احدا من الکفار للایلاف شیئا'' یعنی یہ بات کسی روایت سے ثابت نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو مال زکوۃ میں سے تالیف قلب کے لیے کوئی حصہ دیا ہو (معارف القرآن ج ۴ ص: ۴۰۱)

اب ایک طرف مفسرین مؤلفۃ القلوب کی تفسیر یہ لکھتے ہیں جو اوپر گزری اور دوسری طرف غامدی صاحب بڑی ڈھائی کے ساتھ لکھتا ہے کہ تمام ''سیاسی اخراجات'' مؤلفۃ القلوب کے پیش نظر اموال زکوۃ سے ادا کئے جائیں گے اب سیاسی اخراجات کو لوگ یہی سمجھیں گے جو آج کل سیاسی فضاء اور سیاسی گروہ بندیاں ہیں پس جن کی حکومت ہوگی وہ اموال زکوۃ سے دوسری پارٹی کے اسمبلی منبروں کو خرید کر اپنی پارٹی میں شامل کریں گے اسی طرح انتخابی سرگرمیاں اموال زکوۃ سے پوری کی جائیں گی اب سوال یہ ہے کہ غامدی صاحب آخر کس قرآن وحدیث یا فقہی فتاویٰ کی بنیاد پر یہ نئی بات چلا رہے ہیں جس کے تحت ذاتی اغراض ومفادات پوشیدہ ہیں اگر یہ غامدی صاحب کے اجتہاد کا حصہ ہے تو میں نے بار بار کہا ہے اور اب بھی کہتا ہوں کہ بھائی غامدی صاحب آپ مجتہد نہیں ہیں اور نہ آپ میں اجتہاد کی صلاحیت وقابلیت ہے میں آیندہ کچھ صفحات کے بعد آپ کی قابلیت کی جھلکیاں قوم کے سامنے ان شاء اللہ رکھنے والا ہوں بہرحال غامدی صاحب زکوۃ کو فری فنڈ بنا کر حکومتی اداروں کے لیے تر لقمہ بنانا چاہتا ہے

اور اسی طرح آج کل ہو رہا ہے۔

غامدی صاحب نے اپنے منشور کے اسی صفحہ دس میں ''ابن السبیل'' کے مصرف کے بارے میں لکھا ہے اور ''ابن السبیل'' کے تحت سڑکوں اور پلوں وغیرہ کی تعمیر کی ذمہ داریاں بھی اس کے مصارف میں شامل ہیں (ص:۱۰)

تبصرہ: یہ بھی غامدی صاحب کی اسی بنیادی غلطی کا نتیجہ ہے جس میں اس نے زکوۃ کے مصارف پر تملیک ذاتی کی شرط کو غلط قرار دیا اور تمام فقہاء پر قرآن وحدیث سے ناواقفیت کا الزام عائد کیا اور پھر اپنے غلط مقاصد میں زکوۃ کو اتنا عام کیا کہ ہر کس وناکس اس کا حقدار بنا شریعت نے مسافروں کا خیال رکھا تھا غامدی صاحب رفاہ عامہ کی فکر میں ہے مفسرین نے اس مصرف کو مسافرین تک محدود رکھا ہے البتہ سفر کے اقسام مختلف ہو سکتے ہیں۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس مصرف سے متعلق معارف القرآن میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اس طرح ہے

آٹھواں مصرف ابن السبیل ہے، سبیل کے معنی راستہ، اور ابن کا لفظ اصل میں تو بیٹے کے لیے بولا جاتا ہے، لیکن عربی محاورات میں ابن اور اب اور اخ وغیرہ کے الفاظ ان چیزوں کے لیے بھی بولے جاتے ہیں جن کا گہرا تعلق کسی سے ہو، اسی محاورہ کے مطابق ابن السبیل، راہ گیر و مسافر کو کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کا گہرا

تعلق راستہ قطع کرنے اور منزل مقصود پر پہنچنے سے ہے، اور مصارف زکوۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بقدر ضرورت مال نہ ہو، اگر چہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال ہو، ایسے مسافر کو مال زکوۃ دیا جاسکتا ہے، جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کرلے، اور وطن واپس جاسکے۔

(معارف القرآن ج ۴: ص: ۱۰۹)

''ابن السبیل'' کا مصرف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مفسرین کی تفاسیر کی روشنی میں واضح فرمادیا یہاں نہ پلوں کا ذکر ہے اور نہ سڑکوں کا ذکر ہے اور نہ غامدی کے اشارات کا ذکر ہے زکوۃ سے متعلق ابتداء سے غامدی صاحب کے منشور پر جو کچھ میں نے لکھا ہے میں غامدی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ زکوۃ کے دسیوں شعبے ہیں اور اس کے دینے نہ دینے اور فضائل ومسائل کے اہم مباحث ہیں ان میں سے کسی سے آپ نے تعرض نہیں کیا اگر آپ کو خیال آیا تو صرف زکوۃ کی تملیک کا خیال آیا آخر اس سے آپ کی غرض کیا ہے شاید ان کو فریضہ زکوۃ کی تشریحات اور تفصیلات میں فقہاء کرام پر اعتراض کرنا مقصود تھا اور زکوۃ کو حکومتی اداروں کے لیے تر لقمہ بنانے کا خیال تھا اور اپنے مرشد عام امین احسن اصلاحی کے نظریہ تملیک زکوۃ کی تائید وتوثیق کرنا مطلوب تھا امین احسن اصلاحی نے مسئلہ تملیک زکوۃ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

جاوید احمد غامدی قرآن کے سمجھنے میں غلطی کر جاتے ہیں

جاوید غامدی صاحب جس طرح مجتہد بن کر نیا دین متعارف کرا رہا ہے اور فقہاء امت اور مفسرین ملت کی جس طرح تغلیط و تردید کر رہا ہے اس کی کچھ جھلکی سابقہ اوراق میں ناظرین نے دیکھ لی اب قرآن عظیم کی آیتوں میں غامدی صاحب نے ترجموں اور مطالب میں جو غلطیاں کی ہیں ناظرین اس کو بھی دیکھ لیں اور غور سے پڑھ لیں اور پھر فیصلہ کریں کہ آیا غامدی صاحب واقعی علامہ اور مجتہد ہے یا علمی میدان میں بے علمی کا شکار ہے یہ غلطیاں ایسی ہیں کہ اگر غامدی صاحب نے دانستہ طور پر اس کا ارتکاب کیا ہے تو پھر یہ شخص پرلے درجے کا محرف قرآن ہے اور اگر غیر دانستہ اور غیر ارادی طور پر اس کا ارتکاب کیا ہے تو پھر یہ شخص پرلے درجے کا غافل اور بے علم ہے۔

میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس شخص کا قلم اور قلم کی کاٹ اور مقالہ نگاری اور تحقیق کی گہرائی بہت زیادہ ہے مگر نہ معلوم یہ کس فتنہ کا شکار ہو گیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش رو اور ان کے محبوب استاد امین احسن اصلاحی نے ان کو اسی طرح سبق پڑھایا ہے امین احسن اصلاحی کی زکوۃ سے متعلق ایک کتاب ہے جس کا نام مسئلہ تملیک ہے اسی کے نقش قدم پر قدم بقدم غامدی صاحب کے قدم پڑتے ہیں البتہ بعض مقامات پر غامدی صاحب کے قدم اپنے استاد امین احسن

اصلاحی صاحب سے برائی کی طرف آگے بڑھ جاتے ہیں تو لیجئے قرآن عظیم کی آیتوں کے ترجموں اور مطالب بتانے میں غامدی کی غلطیوں پر غور فرمائیں اب یہ حوالہ جات اور عبارات کے نقول منشور سے نہیں بلکہ پروفیسر مولانا محمد رفیق صاحب کی کتاب ''غامدی مذہب کیا ہے'' ص:۸۴ ا لخ سے لیے گئے ہیں تبصرہ میں نے کیا ہے۔

سورت لہب: {تبت یدا ابی لھب وتب} کا ترجمہ غامدی نے یہ کیا ہے ''ابولہب کے بازو ٹوٹ گئے''۔ پھر اس کی غلط تفسیر میں کہتے ہیں یعنی اس کے اعوان وانصار ہلاک ہو گئے (البیان: ۲۶۰)

سورت اخلاص: سورۃ اخلاص میں {قل ھو اللہ احد} کا علامہ صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے ''وہ اللہ سب سے الگ ہے''۔

سورت الفیل: {الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل (۱) الم یجعل کیدھم فی تضلیل (۲) وارسل علیھم طیرا ابابیل (۳) ترمیھم بحجارۃ من سجیل (۴) فجعلھم کعصف مأکول}

سورۃ فیل کی آیتوں میں بسم اللہ سے آخر تک غلطیوں سے بھرا ہوا ترجمہ ملاحظہ ہو اللہ کے نام سے جو سراسر رحمت ہے جس کی شفقت ابدی ہے تو نے دیکھا نہیں کہ

تیرے پروردگار نے ہاتھی والوں سے کیا کیا ان کی چال کیا اس نے اکارت نہیں کردی؟ اوران پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے مسلط نہیں کردیئے (اس طرح کہ) تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر انہیں مار رہا تھا اور اس نے انہیں کھایا ہوا بھوسا بنادیا (البیان:۹:۲۳۹)

تبصرہ: اس ترجمے میں سب سے پہلے ''الرحیم'' کا ترجمہ علامہ صاحب نے یہ کیا ہے ''جس کی رحمت ابدی ہے'' بسم اللہ کا یہ ترجمہ غلط ہے بے حد مہربان نہایت رحم والا'' اس کا ترجمہ ہے جو عام تراجم میں ہے اس کے بعد سورۃ فیل کی آیت ۳ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے تو پکی ہوئی مٹی کے پتھر انہیں مار رہا تھا'' یہ ترجمہ بھی عجیب ہے معلوم نہیں جنون میں کیا کیا لکھ رہا ہے پتھر خود کس طرح مار رہا تھا چونکہ غامدی کے ذہن میں ان آیات کی تفسیر کے حوالہ سے ایک غلط تصویر بیٹھی ہوئی ہے تو اسی تحریف کے پیش نظر یہ ترجمہ کیا ہے اب سورت فیل کی آیتوں کی غامدی کی تفسیر و تحریف کو ذرا دیکھ لیں۔ پہلی آیت کی تفسیر و تحریف میں یوں لکھتا ہے ابرہہ جب مکہ پر حملہ آور ہوا تو قریش کھلے میدان میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ پا کر منیٰ کے پہاڑوں میں چلے گئے اور وہیں سے انہوں نے اس لشکر جرار پر سنگ باری کی، ان کی یہ مدافعت ظاہر ہے کہ انتہائی کمزور تھی، لیکن اللہ پروردگار عالم نے اپنی قوت قاہرہ اس میں شامل کردی اور اس کے نتیجے میں ہوا

کے تند و تیز طوفان ''حاصب'' نے ابرہہ کی فوجوں کو اس طرح پامال کیا کہ وادی محصب میں پرندے دنوں تک ان کی نعشیں نوچتے رہے (البیان:۲۳۹)

تبصرہ: ابابیل کی سنگ باری سے انکار کر کے قریش کی سنگ باری قرار دینا بڑی تحریف اور بڑی جہالت اور بڑی حماقت ہے اس کے بعد سورت فیل کی تیسری آیت کی تفسیر و تشریح و تحریف غامدی نے اس طرح کی ہے

یہ ابرہہ کی فوجوں کی بے بسی سے کنایہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ساف و حاصب کے طوفان سے انہیں اس طرح پامال کیا کہ کوئی ان کی لاشیں اٹھانے والا بھی نہ رہا وہ میدان میں پڑی تھیں اور گوشت خور پرندے انہیں نوچنے اور کھانے کے لیے ان پر جھپٹ رہے تھے (البیان:۲۴۰)

تبصرہ: ابابیل کی سنگ باری سے انکار کر کے ساف اور حاصب کا من گھڑت بے معنی اور ان فہم طوفان قرار دینا اور پھر ابابیل پرندوں کے ان کے گوشت نوچنے کی داستان گھڑنا اور ان کی لاشوں پر جھپٹنا ایک بے عقل آدمی کی بے عقلی کا شاخسانہ ہے شاعر نے کہا

بک رہا ہوں جنون میں کیا کیا ☆ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

پھر سورت فیل کی آیت ۴ کی تفسیر و تحریف کر کے غامدی فخر کرتا ہے اور تمام مفسرین پر طنز کر کے لکھتا ہے اصل میں ترمیھم ہے یہ اس سے پچھلی آیت میں

علیھم کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہے۔
ہوا کے تند و تیز تھپڑوں کے ساتھ ابرہہ کے لشکر پر آسمان سے جو سنگ باری ہوئی اس کے لیے اگر غور کیجئے تو یہ لفظ نہایت صحیح استعمال ہوا ہے پرندوں کے پتھر پھینکنے کے لیے جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے اسے کسی طرح موزوں قرار نہیں دیا جاسکتا (البیان: ۲۴۰)

تبصرہ: تعجب اس پر ہے کہ اس تفسیر وتحریف سے غامدی کا مقصد کیا ہے یا تو اس شخص پر شیطان اس طرح سوار ہو گیا ہے کہ اس کو خالص اپنی مرضی پر چلا رہا ہے لہذا یہ شخص بے اختیار خرافات لکھ رہا ہے اور یا یہ شخص پرلے درجے کا بے عقل اور بے علم ہے ہم نے اس شخص کے قلم کو جب دیکھا تو اس پر مجبور ہو گئے کہ یہ شخص بڑا علامہ ہے لیکن جب قلم کاری اور مضمون نگاری کے میدان سے الگ ہو کر علم و تحقیق اور ترجمہ و تفسیر کے میدان میں آگیا تو ہم نے اس کی اصلی حقیقت کو پہچان لیا کہ یہ تو صرف خالی ہوا کا غبارہ ہے اس بیچارے کو عام ان پڑھ کے نام سے یاد کرنا بھی مناسب نہیں ہے یہ کوئی تعصب نہیں ہے نہ کسی کی شان کو گرانا مقصود ہے بلکہ اس شخص کی مندرجہ بالا خرافات نے ہمیں اس لکھنے پر مجبور کر دیا کبھی یہ شخص کہتا ہے کہ آسمان سے ابرہہ کے لشکر پر سنگ باری ہوئی کبھی کہتا ہے کہ قریش نے پہاڑوں سے سنگ باری کی کبھی کہتا ہے کہ ایک ساف کے طوفان

سے ان پر سنگ باری ہوئی کبھی کہتا ہے کہ پکی ہوئی مٹی کے پتھر ان کو مار رہے تھے پھر تعجب بالائے تعجب یہ ہے کہ اسی خرافات کو اصل تفسیر قرار دے رہا ہے اور تمام مفسرین کی تفاسیر کو غیر موزون کہتا ہے عجیب آدمی ہے نہ اپنے وزن کو جانتا ہے اور نہ دوسروں کے وزن کو مانتا ہے بس

؎ کس نمی داند کہ بھیّا کون ہے پاؤ ہے یا سیر ہے یا پون ہے

سورت فیل کی پانچویں آیت کی تفسیر وتحریف غامدی صاحب نے اس طرح کی ہے

آیت کا مدعا یہ ہے کہ تمہاری مدافعت اگر چہ ایسی کمزور تھی کہ تم (قریش) پہاڑوں میں چھپے ہوئے انہیں کنکر پتھر مار رہے تھے لیکن جب تم نے حوصلہ کیا اور جو کچھ تم کر سکتے تھے کر ڈالا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت کے مطابق تمہاری مدد کی اور ساف وحاصب کا طوفان بھیج کر اپنی ایسی شان دکھائی کہ انہیں کھایا ہوا بھوسا بنا دیا (البیان:۲۴۱)

تبصرہ: اس شخص کی کم علمی اور جہالت پر میں کیا تبصرہ کروں لوگوں کے لیے تو علامہ بنا ہوا ہے اور قرآن عظیم کے واضح احکامات میں زور قلم سے اپنا جاہلانہ نظریہ داخل کر دیتا ہے لوگ ان کو لفاظی اور مقالہ نگاری اور قلم کاری کی بازیگری کی وجہ سے بڑا محقق سمجھتے ہیں لیکن علمی میدان میں ان کا علمی سطح اتنا گرا ہوا ہے

جس کے نیچے گرنے کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے سورت فیل میں غامدی کی کوشش یہ ہے کہ ابابیل کی سنگ باری کے ضمن میں معجزے کا انکار کرے اس تک پہنچنے کے لیے جھوٹ پر جھوٹ بولتا اور لکھتا جا رہا ہے غور کا مقام ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور صحابہ کرام اور تابعین فقہاء اور مفسرین و محدثین فرما رہے ہیں کہ ابرہہ کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ابابیل نے اینٹی کنکریاں مار کر ہلاک کر دیا اس کے برعکس غامدی صاحب جو کچھ گوہر افشانی کر رہا ہے وہ اوپر کی عبارت میں ناظرین نے دیکھ لیا تف ہے ایسے بے علم پر جس نے ساف اور حاصب جیسے بے معنی الفاظ لا کر ایک فرضی طوفان بنا کر قرآن کی تفسیر کے ساتھ جوڑ دیا یاد رکھو جو شخص امت محمدیہ کے اکابر اہل اللہ کی تحقیر کرتا ہے اور ان سے الگ راستہ اختیار کرتا ہے اس کی اسی طرح شرمساری اور خواری ہو جاتی ہے جو غامدی کی ہو رہی ہے کسی اللہ والے نے سچ کہا ہے

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد ☆ میلش اندر طعنۂ پاکان برد

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کے خیالات کو نیک لوگوں پر طعن کی طرف مائل کر دیتا ہے۔

غثاء احوی کا غلط ترجمہ

سورت الاعلی کی دو آیتوں کا ترجمہ غامدی صاحب نے غلط لکھا ہے آیتیں یہ ہیں۔

{والذی اخرج المرعی۔فجعلہ غثاء احوی}(سورت اعلی:۴۔۵)
غامدی نے ان آیتوں کا ترجمہ اس طرح کیا ہے اور جس نے سبزہ نکالا پھر اسے گھنا سرسبز وشاداب بنادیا(البیان:۱۶۵)
حضرت شاہ عبدالقادر نے ان آیات کا ترجمہ یہ کیا ہے اور جس نے نکالا چارہ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا کالا۔
شیخ الہندؒ نے یہ ترجمہ کیا ہے اور جس نے نکالا چارہ پھر کر ڈالا اس کو کوڑا سیاہ۔
شاہ ولی اللہؒ نے فارسی میں یوں عمدہ ترجمہ کیا ہے وآنکہ برآورد گیاہ تازہ را، باز ساخت آں را خشک شدہ سیاہ گشتہ۔یعنی جس نے تازہ چارہ نکالا پھر اسے خشک سیاہ بنادیا(بحوالہ غامدی مذہب کیا ہے ۶۸)
تبصرہ: غامدی صاحب کے اس غلط ترجمے پر میں کیا تبصرہ کروں ایک طرف اس کے قلم کے مقالہ نگاری کا بلبل چمنستان چاردانگ عالم میں چہک رہا ہے اور دوسری طرف اس کی علمی گراوٹ اتنی پستی میں چلی گئی ہے کہ ہر صاحب علم کا سر شرم کے مارے جھک جاتا ہے کہاں غامدی کے قلم کا وہ ظاہری کرّ وفر اور کہاں اس کے علمی مقام کا یہ مکروہ منظر؟ سچ ہے

؎ بہت شور سنتے تھے ہاتھی کی دم کا جب ماپ لی تو ایک بالشت نکلی

سورت بروج اور غامدی کی تفسیر و تحریف

{قتل اصحاب الاخدود النار ذات الوقود}

یہ سورت بروج کی آیت ۴ اور ۵ ہے غامدی نے اس کا اس طرح عجیب ترجمہ کیا ہے مارے گئے ایندھن بھری آگ کی گھاٹی والے (البیان: ۱۵۷)

غامدی صاحب نے ان آیات کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

یہ قریش کے ان فراعنہ کو جہنم کی وعید ہے جو مسلمانوں کو ایمان سے پھیرنے کے لیے ظلم و ستم کا بازار گرم کیے ہوئے تھے انہیں بتایا گیا ہے کہ وہ اگر اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو دوزخ کی اس گھاٹی میں پھینک دیئے جائیں گے جو ایندھن سے بھری ہوئی ہے اس کی آگ نہ کبھی دھیمی ہوگی اور نہ بجھے گی (البیان: ۱۵۷)

تبصرہ: سب سے پہلے غامدی صاحب کے ترجمہ کو دیکھیں جو انہوں نے ایک تحریفی پس منظر کو ذہن میں رکھ کر کیا ہے جس کا سمجھنا دشوار اور باعث الجھن ہے ترجمہ و تفسیر دونوں ناظرین کے سامنے ہیں مفسرین میں سے کسی نے الاخدود کا ترجمہ گھاٹی سے نہیں کیا جو ترجمے میرے سامنے ہیں اس میں اخدود کا ترجمہ کھائیاں سے کیا گیا ہے شیخ الہند نے ان آیات کا ترجمہ اس طرح کیا ہے مارے گئے کھائیاں کھودنے والے، آگ ہے بہت ایندھن والی (ص: ۷۸۵)

اس ترجمہ کے بعد شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے مسلم شریف کی ایک لمبی حدیث کا ترجمہ کر کے ان آیات کی تفسیر کا تعین کیا ہے کہ دیگر واقعات کا احتمال بھی ہے لیکن مسلم شریف اور ترمذی وغیرہ نے جو تفسیر پیش کی ہے وہ اس غلام کا واقعہ ہے جس کا نام عبداللہ تامر تھا اور جادو سیکھنے کے بجائے راہب پر ایمان لایا اور پھر ایک انقلاب برپا ہو گیا وقت کے ظالم بادشاہ نے کھائیاں کھود کر اس میں ایندھن بھروا کر آگ میں لوگوں کو ڈالا۔

قاموس الوحید میں لکھا ہے کہ خد یخد نصر ینصر سے ہے چنانچہ وحید الزمان قاسمی کیرانویؒ نے اس کے تمام مادوں کو ذکر کیا ہے ان میں کسی مادہ میں گھاٹی کا ترجمہ نہیں ہے فرماتے ہیں الاخدود لمبا گڑھا، خندق، زمین پھاڑنا، زمین کو ہل کے ذریعے سے کھودنا (قاموس الوحید: ص: ۴۱۳)

اب مفسرین ایک طرف جا رہے ہیں اہل لغت ایک طرف جا رہے ہیں احادیث مقدسہ کا نقشہ الگ سمت بتا رہا ہے اور غامدی صاحب ہیں کہ سرپٹ ایک الگ وادی میں گھوم رہا ہے وہ دیدہ ودانستہ عبداللہ تامر کی کرامت کو چھپا رہا ہے پھر افسوس اس پر ہے کہ ان کی علمی بنیاد اور قرآن فہمی کا معیار انتہائی کمزور ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی اندھے کنوئیں میں گر چکا ہے بابا سعدی نے سچ کہا

؎ ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی　　　کیں راہ کہ تُو میروی بترکستان است

اے دیہاتی! مجھے خطرہ ہے کہ تم کعبہ نہیں پہنچ سکو گے کیونکہ تو جس راستے پر جا رہے ہو یہ ترکستان کو جا نکلتا ہے۔

میں نے ابتداء میں لکھا ہے کہ غامدی صاحب اگر لنگڑا لولا ہوتا اندھا بہرہ ہوتا ان کا قلم ٹوٹا ہوتا اور انگلیاں شل ہوتیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا کیونکہ اس طرح وہ کسی لکھنے کا قابل نہ رہتا اگر کچھ نہ لکھتا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان سے نہ لکھنے کا سوال نہ ہوتا اور جب غلط لکھا ہے تو لامحالہ اس کا سوال ہوگا میرے قلم میں غامدی صاحب کے لیے بے شک سختی ہے اس کی دو وجوہات ہیں ایک وجہ یہ کہ شاید غامدی صاحب کی وجہ سے جو لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں یا ان کے خاص پیرو کار ہیں وہ باز آجائیں دوسری وجہ یہ ہے کہ غامدی صاحب کی غلط سوچ اور غفلت کی تہہ اتنی موٹی ہو چکی ہے کہ اس کے کاٹنے کے لیے کسی تیز دھار تلوار کی ضرورت تھی میرے قلم کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کا تو غامدی صاحب اور ان کے مریدین مذاق اڑائیں گے اور کہیں گے کہ ان کی تحریر کا معیار بلند نہیں ہے۔

میں صاف کہتا ہوں کہ میں نے یہ مضمون تحریر کی بلندی یا پستی کے لیے نہیں لکھا ہے بلکہ میں نے ایک خطرے کی نشاندہی کی ہے تاکہ غامدی صاحب بھی اور ان کے پیروکار بھی اس خطرے کے برے انجام سے اپنے آپ کو بچائیں، ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ میرے قلم کی سختی کی وجہ یہ بھی

ہے جو غامدی صاحب نے فقہاء اور اولیاء وعلماء کے خلاف تیز قلم چلانے کی وجہ اپنی کتاب ''برھان'' کے دیباچہ میں ایک شعر کی صورت میں لکھدی ہے شعر یہ ہے:

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر ☆ کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

میرا مقصد قطعاً یہ نہیں کہ میری تحریر اور مضمون کا کوئی جواب دے جواب دینے کی ضرورت بالکل نہیں اور نہ میں کسی کا جواب پڑھوں گا اور نہ جواب الجواب میں پڑوں گا اگر راہ راست پر آنے کی کسی کو فکر ہے تو اس مضمون میں بہت کچھ ہے اور اگر کسی کو کوئی فکر ہی نہیں تو میں صرف یہ کہوں گا۔

لاینفع الوعظ قلبا قاسیا ابدا وهل یلین بقول الواعظ الحجر

یعنی سنگ دل انسان کو کبھی بھی نصیحت فائدہ نہیں دیتی ہے اور کیا کسی واعظ کے وعظ سے پتھر نرم ہوسکتا ہے؟

البتہ میں مایوس نہیں ہوں ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تحریر و مضمون کو کسی کے لیے ہدایت اور راہنمائی کا ذریعہ بنادے

مسافر راستہ دیکھے نہ دیکھے چراغ رہ گزر جلتا رہیگا

قرآن عظیم کی آیات کے تراجم اور تفاسیر میں غامدی صاحب نے جو روش اختیار کی ہے یہ سر سید احمد خان کا طریقہ ہے جس میں انکار حدیث بھی ہے اور معجزات کا

انکار بھی ہے یہ ورثہ سرسید سے حمید الدین فراہی کو ملا اور ان سے امین احسن اصلاحی کو ملا اور ان سے جاوید غامدی کو ملا۔

(۳) معاشرتی سطح پر

غامدی صاحب کے منشور کا تیسرا بڑا عنوان ''معاشرتی سطح پر ہے'' یعنی معاشرتی طور پر ہمارے منشور کے دفعات کیا ہیں؟ اس عنوان کے نیچے اس منشور میں تیرہ دفعات کا ذکر کیا گیا ہے۔

تین طلاق اور غامدی کا نیا مذہب

اوپر بڑے عنوان کے نیچے تیرہ دفعات میں سے یہ ساتواں دفعہ ہے جو قابل مؤاخذہ ہے چنانچہ غامدی اپنے منشور کے ص: ۱۲ پر تین طلاق دینے سے متعلق یوں لکھتا ہے

لوگوں پر پابندی عائد کی جائے کہ وہ اگر بیوی سے مفارقت چاہیں تو اسے قرآن مجید کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہر حال میں ایک ہی طلاق دیں تاہم کوئی شخص اگر قانون سے ناواقفیت یا اپنی حماقت کی بناء پر ایک ہی مجلس میں تین طلاق دے بیٹھے تو اسے سزا دی جائے اور اس کی طلاق کے معاملے میں وہی

طریقہ اختیار کیا جائے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رکانہ بن عبد یزید کے معاملے میں اختیار فرمایا تھا (منشور: ۱۲)

تبصرہ: غامدی صاحب نے تین طلاق کے واقع نہ ہونے کے لیے جس دلیل کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت رکانہ بن عبد یزید کی حدیث ہے رکانہ بن عبد یزید کی روایت یہ ہے: **عن رکانة بن عبد یزید انه طلق امرأته سهیمة البتة فاخبر بذالک النبی صلی اللہ علیه وسلم وقال واللہ ما أردت الا واحدة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم واللہ ما اردتَ الا واحدة؟ فقال رکانة: واللہ ما اردتُ الا واحدة فردها الیه رسول اللہ صلی علیه وسلم فطلقها الثانیة فی زمان عمر والثالثة فی زمان عثمان (رواہ ابوداؤد)**

ترجمہ: حضرت رکانہ بن عبد یزید سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے اس کی اطلاع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ خدا کی قسم میں نے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی قسم کھا کر کہو تم نے ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ حضرت رکانہ نے کہا خدا کی قسم میں نے صرف ایک ہی طلاق کا ارادہ کیا تھا پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (نکاح جدید کے ساتھ) اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اس نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں دوسری اور

حضرت عثمانؓ کی خلافت میں تیسری طلاق دیدی (ابوداؤد)

غامدی صاحب نے اپنے منشور میں تین طلاق دینے والے کو احمق کہہ کر یہ فیصلہ صادر کیا کہ ایسے شخص کو سزا دی جائے سزا دینے کی نوبت تو تب آئے گی کہ غامدی صاحب کی حکومت آجائے اور اس کے منشور کے نافذ کرنے کا وقت آجائے لیکن سوال یہ ہے کہ یہ سزا کتنی ہونی چاہیے اس کی وضاحت غامدی صاحب نے نہیں کی دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر تین طلاق دینے والا شخص مستحق سزا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رکانہ بن عبد یزید کو سزا کیوں نہیں دی؟

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا تجویز نہیں فرمائی تو غامدی کون ہوتا ہے جو سزا کی بات کرتا ہے نہ معلوم یہ شخص کونسی نئی شریعت پیش کرنا چاہتا ہے غامدی نے اس کے بعد تین طلاق دینے والے شخص کی طلاق کے معاملے کو رکانہ بن عبد یزید کے معاملے پر چھوڑ دیا غامدی کا مقصد یہ ہے کہ آنحضرت نے تین طلاق کو کالعدم قرار دیا کیونکہ یہ ایک ساتھ ایک مجلس میں دی گئی تھیں تین طلاق کو آنحضرت نے ایک طلاق قرار دیا اور اس کی بیوی کو ان کی طرف واپس کر دیا غیر مقلدین کا خیال بھی اسی طرح ہے اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ غامدی صاحب کا تعلق غیر مقلدین سے بھی ہے اور ایسے ہی خرافاتی لوگ پہلے تقلید کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر شیطان کا آلہ کار بن جاتے ہیں کوئی مقلد کسی مسلک میں رہتے ہوئے اس

طرح گمراہ اور منکر حدیث نہیں ہوتا اب میں غامدی سے پوچھتا ہوں کہ اگر ایک مجلس میں تین طلاق واقع ہونے کا اعتبار نہیں تھا تو آنحضرت رکانہ بن عبد یزید کو قسم کیوں دے رہے ہیں کہ سچ بتاؤ تم نے تین کے بجائے ایک کا ارادہ کیا تھا؟ صاف ظاہر ہے کہ اگر تین کا ارادہ کیا ہوتا تو تین پڑ جاتی صحابی نے قسم کھائی کہ میں نے تین کا نہیں بلکہ ایک کا ارادہ کیا تھا میں نہیں سمجھتا کہ غامدی صاحب نے اس حدیث کا حوالہ کیسے دیا جب کہ وہ ایک مجلس میں تین طلاق کے واقع ہونے کا قائل ہی نہیں ہے۔

حضرت رکانہ کی تین طلاق کو ایک قرار دینے کا ایک پس منظر ہے اور وہ یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں لوگ طلاق میں تاکید پیدا کرنے کے لیے بطور تاکید تین الفاظ بولتے تھے اصل طلاق ایک ہوتی تھی اس کے ساتھ طلاق کا دوسرا اور تیسرا لفظ تاکید کے لیے ہوتا تھا جیسے کوئی شخص بطور تکرار کہتا ہے تجھے طلاق طلاق طلاق ہے یہی وجہ تھی کہ آنحضرت آدمی کے قصد وارادہ کا قسم دے کر پوچھتے تھے کہ ارادہ ایک کا تھا یا تین کا تھا چونکہ تین طلاق کا رواج نہیں تھا اس لیے ہر آدمی ایک ہی کا اعتراف کرتا تھا لیکن جب حضرت عمر فاروق کا دور آیا اور لوگوں نے تین الفاظ دہرانے سے تین کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ لوگوں نے طلاق کے تین الفاظ دہرانے سے تین طلاق کا ارادہ کرنا شروع

کر دیا ہے لوگ جلد باز ہو گئے لہٰذا اب تین الفاظ کے دہرانے سے تین طلاقیں مراد لی جائیں گی۔ مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۷ پر روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال کان الطلاق علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وسنتین من خلافۃ عمر طلاق الثلاث واحدۃ فقال عمر بن الخطاب ان الناس استعجلوا فی امر کانت لھم فیہ اناۃ فلو امضیناہ علیھم فامضاہ علیھم (مسلم شریف:۴۷۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت کے زمانے اور پھر صدیق اکبر کے زمانے میں اور پھر حضرت عمر کے تین سالہ دور تک تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے طلاق کے ٹھہراؤ میں جلد بازی سے کام لیا اب اگر ہم ان پر تین طلاق نافذ کریں تو اچھا ہوگا پھر آپ نے تین کو نافذ کر دیا۔ اھ

اس روایت میں بالکل ابتدائی دور کا پس منظر بیان کیا گیا ہے کہ طلاق کے تین الفاظ سے ایک طلاق مراد ہوتی تھی پھر لوگوں نے تین سے ایک نہیں بلکہ تین ہی مراد لینا شروع کر دیا تو ان پر تین کا حکم نافذ کر دیا گیا ایک طرف پوری امت ہے صحابہ کرام ہیں خلفائے راشدین ہیں فقہائے کرام اور تابعین ہیں عرب وعجم سب نے اس پر اتفاق اور اجماع کر لیا ہے کہ تین الفاظ سے طلاق تین ہی مراد لی جائیں گی اور دوسری طرف غامدی صاحب ہیں جو کہتے پھرتے ہیں کہ نہیں

نہیں ایک مجلس میں تین طلاق دینے والا احمق ہے اور یہ تین نہیں بلکہ ایک ہے بہر حال میں تین طلاق کے اثبات کے دلائل بیان نہیں کر سکتا اور غامدی صاحب کے ساتھ اس طرح الجھنے کو میں فضول سمجھتا ہوں بس اتنا کہتا ہوں کہ جمہور امت سے کٹ کر اور تقلید سے ہٹ کر پرواز کو اتنا اونچا نہ رکھو ذرا زمین پر چلنے کا سلیقہ سیکھو ورنہ گر جاؤ گے

ے اپنی مٹی پہ ہی چلنے کا سلیقہ سیکھو ☆ سنگ مرمر پہ چلو گے تو پھسل جاؤ گے

علامہ زاہد الکوثری نے اکابر کا یہ جملہ نقل کیا ہے کہ:

الامذھبیة قنطرة الالحاد: یعنی تقلید سے آزاد ہونا ہر الحاد کی طرف ایک پل ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیں آپ میرے بارے میں کیا فرمائیں گے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تین طلاق سے تو تیری بیوی مطلقہ بن گئی اور ستانوے طلاق سے تم نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کا مذاق اڑادیا۔

(رواہ مؤطا مکتبہ بشریٰ:۱:۳)

اب اس روایت میں اور اس طرح کئی دیگر روایات میں حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ایک ہی مجلس میں کسی نے سو طلاقیں دیں تو تین طلاق پڑ جائیں گی اور بیوی طلاق ہو جائے گی اس تصریح کے

بعد غامدی صاحب کو اس طرح جرأت نہیں کرنی چاہیے کہ جمہور کو یکسر نظر انداز کیا اور اپنا اجتہاد ٹھونس دیا اور منشور میں ''معاشرتی سطح پر'' عنوان رکھ کر نیا معاشرہ تشکیل دے دیا۔

ایک سے زیادہ شادیوں کا تصور اور غامدی کا نیا مذہب

غامدی صاحب اپنے منشور کے بڑے عنوان ''معاشرتی سطح پر'' کے عنوان کے تحت دفعہ ۸ میں لکھتے ہیں دوسری شادی کو لازمی طور پر ضرورت سے مشروط کیا جائے اور اس کے بارے میں مطلق اباحت کا جو تصور اس وقت مسلمانوں میں موجود ہے اس کی حوصلہ شکنی کی جائے (منشور ص:۱۲)

تبصرہ: دوسری شادی کو ضرورت کے ساتھ مشروط کرنے کی بات غامدی صاحب کی نئی شریعت ہے حالانکہ ان کو شریعت سازی کا اختیار نہیں ہے یہ شخص نہ مجتہد ہے اور نہ گہرے علم کا مالک ہے یہ ایک قلم کار مضمون نگار افسانہ نگار شخص ہے بدقسمتی سے یہ شخص شریعت کے احکام میں مداخلت کرنے لگا اور خانہ ساز شریعت متعارف کرانے لگا اور نئے نئے ضابطے بنانے لگا

قرآن وحدیث اور فقہائے کرام اور صحابہ کرام نے کہیں بھی اس طرح قاعدہ کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے صحابہ کرام میں بہت سارے صحابہ نے کئی کئی شادیاں کی

ہیں علمائے کرام نے اس پر عمل کیا ہے ایک صحت مند مرد کے اندر کے جذبات اور احساسات خود ایک مجبوری ہے جو آدمی کو دوسری تیسری اور چوتھی شادی پر ابھارتی ہے غامدی صاحب کو اگر مردانگی کا پورا حصہ نہیں ملا ہے تو وہ خود کو معذور سمجھے شریعت میں بے جا مداخلت کر کے قاعدہ کیوں بناتا ہے اور پھر اپنے منشور کا حصہ کیوں گردانتا ہے اور پھر اس کو لازم کیوں قرار دیتا ہے غامدی صاحب اس دفعہ کی عبارت میں مزید لکھتا ہے ''دوسری شادی کی مطلق اباحت کا جو تصور اس وقت مسلمانوں میں موجود ہے اس کی حوصلہ شکنی کی جائے'' اس عبارت سے غامدی یہ تأثر دینا چاہتا ہے کہ دوسری شادی کی اباحت کا یہ تصور آج کل کے مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے اور پرانے زمانے کے مسلمانوں میں یہ تصور نہیں تھا کہ ایک سے زائد شادی مباح ہے۔

غامدی صاحب نے غلط بیانی کی ہے اور قرآن وحدیث پر اعتراض کر کے انکار کیا ہے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے {فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی وثلث ورباع وان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ}

(سورۃ نسائ: آیت: ۳)

تم کو عورتوں میں سے جو خوش آئیں تو دو دو تین تین اور چار چار سے شادی کر لو پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کیا یہ مطلق اباحت نہیں ہے کیا یہ اباحت قرآن کریم میں موجود نہیں ہے؟ کیا یہ آج کل کے مسلمانوں میں موجود ہے یا چودہ سو سال پرانا تصور ہے؟ اسی لیے تو میں کہتا ہوں غامدی صاحب ان پڑھ ہوتا لنگڑا لولا ہوتا اندھا بہرہ ہوتا اس کا قلم ٹوٹا ہوتا اور انگلیاں کٹی ہوئی ہوتیں تو یہ اس لکھنے سے بہتر ہوتا کیونکہ نہ لکھنے پر مؤاخذہ نہ ہوتا مگر غلط لکھنے پر مؤاخذہ ہوگا زیر بحث آیت تو یہ بتاتی ہے کہ اگر کئی بیویوں میں انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی کو رکھ لو اس سے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت سے شادی بدرجۂ مجبوری ہے اور یہ رخصت ہے عزیمت نہیں عزیمت تو چار ہے نکاح تو شروع ہی دو عورتوں سے ہے پتہ نہیں غامدی کدھر بھٹک رہا ہے

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں جاننا چاہیے کہ مسلمان آزاد کے لیے زیادہ سے زیادہ چار نکاح تک اور غلام کے لیے دو تک کی اجازت ہے اور حدیثوں میں بھی اس کی تصریح ہے اور ائمہ دین کا بھی اسی پر اجماع ہے اور تمام امت کے لیے یہی حکم ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت اور آپ کا امتیاز ہے کہ اس سے زائد کی اجازت ہے (تفسیر عثمانی:۹۹)

اس دفعہ کے آخر میں غامدی صاحب نے لکھا ہے کہ اس کی حوصلہ شکنی کی جائے۔

اس ظالم نے یہ نہیں دیکھا کہ ایک سے زائد شادی کی اباحت کا حکم قرآن عظیم کا

حکم ہے احادیث مقدسہ کا حکم ہے ائمہ مجتہدین اور پوری امت کا اجماعی فیصلہ ہے جو شخص قرآن وحدیث اور اجماع امت کے فیصلے کی حوصلہ شکنی کی بات کرتا ہے اور منشور کا حصہ بناتا ہے میرے خیال میں ایسا شخص اسلام کی سرحدوں کو پاٹ رہا ہے جب کہ وہ الٹا ''معاشرتی سطح پر'' عنوان رکھ کر نیا معاشرہ تشکیل دے رہا ہے اور نئے مذہب کی داغ بیل ڈال رہا ہے :**فَیَا عَجَبًا عَلٰی ھٰذَا الْمُتَجَدِّد**

تصویر کشی سے متعلق غامدی کا نیا مذہب

''معاشرتی سطح پر'' بڑے عنوان کے تحت دفعہ ۱۲ کے ذیل میں غامدی صاحب موسیقی اور تصویر کے بارے میں لکھتا ہے۔تصویر، موسیقی اور دوسرے فنونِ لطیفہ کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اصلاً ممنوع نہیں ہے، بلکہ یہ ان کی نوعیت اور ان کا استعمال ہے جو بعض حالات میں ان کی ممانعت کا سبب بن جاتا ہے اور اس طرح از روئے تشریع نہیں بلکہ از روئے قضاء بعض صورتوں میں ان کی حرمت کا حکم دیا جاتا ہے (منشور: ۱۳)

تبصرہ: غامدی صاحب نے اس دفعہ کے تحت تصویر کشی اور موسیقی کے دو بڑے موضوعات کو چھیڑ دیا ہے تعجب ہے کہ اسلام میں کوئی اور بات غامدی صاحب کو نہیں ملی کہ اسلام کی حمایت میں اپنا زور قلم دکھائے اور کفار اغیار اور فساق واشرار کے خلاف میدان کارزار میں اتر کر اہل باطل کے خلاف اپنے قلم کا جوہر دکھائے اس بدقسمت کو اگر کوئی چیز ملی تو وہی ملی جس سے دین ودنیا اور غیرت وشرافت کا جنازہ نکل جائے اور ان کے آقا یہود ونصاریٰ ان سے خوش ہوجائیں۔

کیا تصویر اصلاً ممنوع نہیں ہے؟

تاریخ اسلام اس پر گواہ ہے کہ توحید کے خالص عقیدہ میں جب بھی شرک کی پیوندکاری ہوئی ہے اس کے لیے دو راستے اختیار کیے گئے ہیں، ایک تصاویر اور مجسموں کا راستہ استعمال کیا گیا ہے اور دوسرا مزارات، قبروں، مقبروں اور قبرستانوں اور آستانوں کا راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شرک اور کفر کا دور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے شروع ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو ابلیس نے مجسمہ پرستی اور تصویر سازی کی پوجا پاٹ میں ایسا

لگا دیا کہ ساڑھے نو سو سال تک حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ اور دن رات کی محنت اور سمجھانے کے باوجود وہ قوم شرک اور کفر سے باز نہ آئی اور آخر کار طوفانِ نوح میں تباہ ہوگئی۔ اسی طرح قوم عاد و ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم مجسمہ پرستی میں اتنا آگے بڑھ گئی کہ ہلاکت و تباہی کو سینہ سے لگا لیا لیکن بت پرستی اور تصویر سازی سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہوئی، چنانچہ یہ قومیں تباہ ہوگئیں۔ یہود و نصاریٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہوں میں تبدیل کیا اور طرح طرح کے مجسموں اور تصاویر سے اپنے گرجوں اور عبادت گاہوں کو بھر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے کچھ پہلے مرضِ وفات میں نہایت سختی سے یہود و نصاریٰ پر لعنت بھیجی کہ انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کو عبادت گاہیں بنالیا اور نیک لوگوں کے مجسموں اور تصاویر کی پوجا شروع کردی، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو متنبہ فرمایا کہ تم یہ کام نہ کرو کیونکہ یہ شرک کے آنے کا سب سے خطرناک راستہ ہے۔ اگر کسی کو اس میں شک اور تردّد ہے تو وہ ایران کے روافض کو دیکھے کہ انہوں نے کس طرح خمینی کی تصاویر کی پوجا پاٹ شروع کی، آغا خان کی تصاویر کو آغا خانیوں نے دکانوں میں رکھ کر کس طرح پوجنا شروع کردیا، الطاف حسین وغیرہ کی تصاویر کو ان کے عقیدت مند کس طرح چومتے ہیں

اوران کے سامنے کس طرح جھکتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔شاعر نے خوب کہا

دین احمد میں ابھی تک بت پرستی آئی نہیں
اس لیے تصویرِ جاناں ہم نے کھچوائی نہیں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی کتاب ''دور حاضر کے فتنے'' سے ایک روح پرور مقالہ نقل کروں جس سے تصویر کی حرمت پر اجماع اور تصویر کے مفاسد پر بھرپور کلام امت کے سامنے آجائے گا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اباحیت کا فتنہ

فوٹو اور تصویر کے فتنہ انگیز نتائج (ص:۴۵)

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے قربِ قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہورہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی جارہی ہے، ایک فتنہ تنہا بذات خود فتنہ ہوتا ہے اور ایک فتنہ مختلف فتنوں کو جنم دیتا ہے، مثلاً فوٹو گرافی کا فتنہ شروع ہوا، یہی کیا کم گناہ تھا کہ اس سے سینکڑوں فتنے

پیدا ہوئے، حضرت حق جل شانہ کا علم ہر شے کو محیط ہے، اس کے علم میں ہے کہ فلاں فتنہ فلاں فلاں اسباب و ذرائع سے ابھرے گا، اس بنا پر شریعت الٰہیہ کا منشاء یہ ہوتا ہے کہ جو چیز کسی درجہ میں معاصی اور گناہوں کا سبب بن سکتی ہو اس کو منع فرمائے، انسانی عقل بسا اوقات اپنے قصور علم اور کم فہمی کی وجہ سے اس کی علت و حکمت کو محسوس نہیں کر سکتی، انسان بسا اوقات تعجب کرتا ہے کہ بظاہر اس معمولی بات کو اتنی سختی سے کیوں روکا گیا، لیکن بعد میں واقعات و شواہد سے اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ شریعت الٰہیہ نے جو فیصلہ کیا تھا عین حکمت تھا، ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہو گئے، شریعت محمدی نے ابتدا ہی سے فرما دیا تھا کہ قیامت کے دن سخت ترین عذاب صورت بنانے والوں کو ہوگا، اور کبھی یہ فرمایا کہ ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور کہیں یہ فرمایا کہ صورت سازی حق تعالیٰ کی خالقیت کی نقل کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسلام دین قیم ہے اس نے کفر و شرک، بدعت و ضلالت اور کج راہی و گمراہی کا ایک ایک کانٹا چن چن کر صاف کر دیا، تمام اولاد آدم کو ایک صاف، سیدھا اور نکھرا ہوا ''صراط مستقیم'' عطا کیا جس پر چل کر وہ امن و امان اور راحت و عافیت

کی زندگی بسر کر سکے اور مرنے کے بعد قرب ورضا اور جنت نعیم کی وارث بنے، قرآن میں ہے:

{تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض و لا فسادا والعاقبة للمتقین}(القصص:۸۳ ۱)

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کرتے ہیں جو نہ تو زمین میں سرکشی چاہتے ہیں اور نہ فساد، اور اچھا انجام پرہیزگاروں ہی کے لیے ہے''۔

اسلام نے انسانیت کے اعمال واخلاق کے تزکیہ کے لیے شر وفساد کے تمام راستوں کو مسدود کردیا، شرک جو اسلام کی نظر میں سب سے بڑا ظلم ہے، تاریخ شاہد ہے کہ وہ دنیا میں مجسموں مورتیوں اور تصویروں اور فوٹوؤں کے راستہ سے آیا تھا، اس لیے اسلام نے اس منبع کفر وشرک کو حرام اور تصویر سازوں کو ملعون اور بدترین خلق قرار دے کر اس راستہ کو بند کیا، صحیحین میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے یہ حدیث موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وصال میں ایک دفعہ ازواج مطہرات آپ کے پاس جمع تھیں، کسی تقریب سے ''ماریہ'' نامی کنیسہ (گرجا) کا ذکر چھڑا، حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ کو چونکہ ہجرت حبشہ کے دوران اس کے حالات معلوم کرنے کا

موقعہ ملا تھا، اس لیے ان دونوں حضرات نے اس کے حسن تعمیر اور وہاں کی آراستہ تصویروں کا تذکرہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ گفتگو سن رہے تھے، بستر علالت سے سر اٹھایا اور فرمایا:

اولئک اذا مات فیھم الرجل الصالح بنوا علی قبرہ مسجدا ثم صوروا بہ تلک الصور اولئک شرار خلق اللہ۔　(مشکوۃ: ۳۸۶)

ترجمہ: ان لوگوں میں جب کسی نیک آدمی کا انتقال ہوجاتا یہ اس کی قبر پر عبادت گاہ بنالیتے، پھر ان تصویروں سے اسے آراستہ کرلیتے تھے، یہ لوگ اللہ کی مخلوق میں بدترین قسم کے لوگ ہیں''۔

ایک حدیث میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر پر تھے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے میں نے گھر میں ایک طاقچہ پر کپڑے کا پردہ لٹکا دیا تھا، جس میں تصویریں بنی تھیں، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے اور نہایت نفرت کے لہجہ میں فرمایا:

یا عائشۃ ان اشد الناس عذابا عند اللہ یوم القیامۃ الذین یضاھون بخلق اللہ　(صحیح مسلم: ج ۲ ص: ۲۰۱)

ترجمہ: ''عائشہ! قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق وہ لوگ ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں مقابلہ

کرتے ہیں''۔

صحیح مسلم اور مسند احمد کی حدیث میں ہے:

ان اشدالناس عذابا یوم القیامة المصورون (مسلم: ج۲ ص: ۲۰۱)

ترجمہ:''یقیناً سب سے زیادہ سخت عذاب کے مستحق قیامت کے دن تصویر ساز ہوں گے۔

اور صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں بہت سی احادیث صحیحہ مبارکہ موجود ہیں جو جاندار چیزوں کی تصویر سازی کی حرمت اور ملعونیت کو بیان کرتی ہیں اور تمام فقہائے امت نے متفقہ طور پر جاندار چیزوں کی تصاویر کو حرام قرار دیا ہے۔

بدقسمتی سے عالم اسلام کی زمام قیادت کافی عرصہ سے ناخدا شناس تہذیبوں اور بددین قوموں کے ہاتھ میں ہے، جن کے یہاں (الا ماشاء اللہ) دین و دیانت نام کی کوئی چیز ہے ہی نہیں اور شرم وحیائ، عفت و عصمت، غیرت وحمیت کا لفظ ان کی لغت سے خارج ہے، ان کے نزدیک فکر وفن اور دغا وفریب کا نام ''سیاست'' ہے انسانیت کشی کے اسباب ووسائل کا نام ''ترقی'' ہے فواحش ومنکرات کا نام ''آرٹ'' ہے، مردوزن کے غیر فطری اختلاط کا نام ''روشن خیالی'' اور خوش اخلاقی ہے، پردہ دری اور عریانی کا نام ''ثقافت'' ہے اور پس ماندہ ممالک ان کی اندھی تقلید اور نقالی کو فخر سمجھتے ہیں، اس لیے آج سارے عالم میں فتنوں کا دور دورہ ہے، اور شاید یہ دجالِ اکبر کے دجالی فتنہ کی تیاری ہو رہی ہو،

خصوصاً عالم اسلام ہر معصیت، ہر فتنہ اور ہر برائی کی آماجگاہ بنا ہوا ہے، آئے دن کے ان ہزاروں فتنوں میں ایک ''فوٹو'' کا فتنہ ہے، جہاں دیکھیں فوٹو گرافر موجود ہیں، دعوت وضیافت ہو یا مجلس نکاح، اجلاس ہو یا پرائیوٹ اجتماع، ہر جگہ فوٹو گرافر موجود ہوگا اور کیمرہ سامنے، اس معصیت نے وبائی فتنہ کی شکل اختیار کرلی ہے، جس سے بچنا دشوار ہوگیا ہے، کوئی بالارادہ بچنا بھی چاہے، تب بھی اسے معاف نہیں کیا جاتا، بے خبری میں اس کا فوٹو بھی لے لیا جاتا ہے اور دوسرے دن اخبارات کے صفحات پر دنیا کے سامنے پیش بھی کردیا جاتا ہے، آج ان فوٹو گرافروں، کیمرہ بازوں اور اخبار نویسوں کے طفیل عریاں غلاظت کے انبار ہمارے گھروں میں داخل ہورہے ہیں، اور اس سے پورا معاشرہ متأثر، بلکہ متعفن ہورہا ہے، مگر حیف ہے کہ اس پر کوئی گرفت کرنے والا نہیں، ستم یہ کہ اس عمومی اور عالم گیر صورت نے عام طبقہ کے ذہن سے یہ خیال ہی ختم کردیا ہے کہ یہ بھی کوئی ناجائز کام یا معصیت اور گناہ ہے، کیونکہ برائی کا خاصہ ہے کہ جب وہ عام ہوجاتی ہے اور اس پر گرفت کا بندھن ڈھیلا ہوجاتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کی نفرت وحقارت دلوں سے نکلتی جاتی ہے اور قلوب مسخ ہوتے جاتے ہیں اور نوبت یہاں تک جاپہنچتی ہے کہ وہ (برائی) معیار شرافت بن جاتی ہے

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا

کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا مزاج

اور اس کو کج نظر اور غلط پندار لوگ ''انسانی قدروں کی تبدیلی'' سے تعبیر کرنے لگتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ جب تک انسان، انسان ہے اور اس کی انسانیت باقی ہے، تب تک کسی ''انسانی قدر'' کے بدل جانے کا تصور ہی غلط ہے، ہاں! انسان نما جانور، انسان ہی نہ رہیں کسی اور نوع میں تبدیل ہو جائیں تو دوسری بات ہے۔

چند دن ہوئے ایک عالم کے یہاں خصوصی دعوت تھی، وہاں دو ایک مشہور شخصیتیں بھی مدعو تھیں اور خصوصی مہمان بھی تشریف فرما تھے، راقم الحروف کو بھی شرکت کی نوبت آئی اور سوء اتفاق سے مجھے ان ہی کے ساتھ بٹھا دیا گیا، یہ تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک عالم کے مکان پر خصوصی دعوت میں فوٹو گرافر کیمرہ لے کر آموجود ہو گا، جب فوٹو گرافر سامنے آیا تو راقم الحروف نے سختی سے روکا اور ایک دوسرے عالم نے بھی شدید نکیر فرمائی، اطمینان ہوا کہ فتنہ ٹل گیا، لیکن کچھ وقفے کے بعد دوبارہ کسی قدر فاصلہ پر دروازہ پر کھڑا دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے ہماری بے خبری اور غفلت سے فائدہ اٹھا کر اپنا ارادہ پورا کر لیا، اگلے دن ''جنگ'' کے صفحات پر تین اشخاص کا جن میں ایک راقم الحروف تھا فوٹو آگیا اور ستم ظریفی یہ کہ نیچے یہ عبارت لکھ دی ''گروپ فوٹو''۔ انا للہ۔

تصویر سازی کی حرمت پر اجماع

حدیث نبوی میں تصویر سازی پر جو شدید وعید آئی ہے، وہ ہر جاندار کی تصویر میں جاری ہے اور تمام امت جاندار اشیاء کی تصاویر کی حرمت پر متفق ہے، لیکن خدا غارت کرے اس مغربی تجدد کو کہ اس نے ایک متفقہ حرام کو حلال ثابت کرنا شروع کر دیا، اس ''فتنہ اباحیت'' کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا مرکز مصر اور قاہرہ تھا، چنانچہ آج سے نصف صدی پہلے قاہرہ کے مشہور شیخ محمد نجیت مطیعی نے جو شیخ الازہر بھی تھے ''اباحة الصور الفوتوغرافية'' کے نام سے ایک رسالہ تالیف کیا تھا، جس میں انہوں نے کیمرے کے فوٹو کے جواز کا فتویٰ دیا تھا، اس وقت عام علماء مصر نے ان کے فتویٰ کی مخالفت کی، حتی کہ ان کے ایک شاگرد رشید علامہ شیخ مصطفی حمامی صاحب نے اپنی کتاب ''النهضة الاصلاحية للأسرة الاسلامية'' میں اس پر شدید تنقید کی اور اس کتاب میں صفحہ: ۲۶۰ سے صفحہ: ۲۶۸ اور صفحہ ۳۱۰ سے صفحہ ۳۲۸ تک اس پر بڑا بلیغ رد لکھا، ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

''تمام امت کے گناہوں کا بار شیخ کی گردن پر ہوگا کہ انہوں نے تمام امت کے لیے شر اور گناہ کا دروازہ کھول دیا''۔ اسی زمانہ میں حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے قلم سے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک طویل مقالہ شیخ مطیعی کے

رسالہ کی روشنی میں نکلا، اس وقت امام العصر مولانا انور شاہ کشمیر رحمہ اللہ کو جب اس کی اطلاع ہوئی اور اس مضمون سے واقف ہوئے تو آپ کی تحریک پر آپ کے تلامذہ میں سے حضرت مولانا محمد شفیع صاحب نے ماہنامہ ''القاسم'' میں (جو دارالعلوم دیوبند کا ماہنامہ تھا) اس پر تردیدی مقالہ شائع فرمایا، وہ مقالہ حضرت شیخ کشمیری رحمہ اللہ کی راہنمائی میں مرتب ہوا، جسے بعد میں ''التصویر لاحکام التصاویر'' کے نام سے حضرت مفتی صاحب نے شائع فرمایا۔

یہ واضح رہے کہ حضرت سید سلیمان ندویؒ صاحب موصوف مرحوم نے اپنی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں جب کہ آپ کی عمر مبارک ساٹھ تک پہنچ چکی تھی، جن چند مسائل سے رجوع فرمالیا تھا ان میں فوٹو کے جواز کا مسئلہ سے بھی رجوع فرمایا تھا، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے ''آزاد'' صاحبِ قلم نے اگرچہ ذوالقرنین کو سائرس بنا کر اس کے مجسمہ کا فوٹو [اپنی تفسیر] ترجمان القرآن میں شائع کیا تھا، لیکن بعد میں اسے ''ترجمان القرآن'' کے تمام نسخوں سے نکال کر تصویر کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔

الغرض نہ صرف ہمارے اکابر بلکہ تمام فقہائے امت کا اس پر اتفاق ہے کہ فوٹو حرام ہے، البتہ پاسپورٹ وغیرہ ضروریات کے لیے نصف چھوٹے فوٹو کو اس سے مستثنیٰ کرنا ہوگا، اس کا گناہ ان لوگوں کے ذمہ ہے جن کی طرف سے یہ

مجبوریاں عائد کی گئیں ہیں، اس لیے یہ واضح رہے کہ میرا مسلک یہی ہے کہ فوٹو بلا ان خاص ضرورتوں کے ناجائز اور حرام ہے، اگر میری بے خبری میں، چالاکی سے کسی نے فوٹو لے لیا تو اس کا گناہ اس کی گردن پر ہے، اگرچہ اس ملعون فن سے اسلامی معاشرہ میں نفرت عام نہیں رہی، ناواقف عوام اسے معمولی اور ہلکی چیز سمجھنے لگے ہیں اور کچھ لوگ تو اس کے جواز کے لیے بھی حیلے بہانے تراشنے لگے ہیں، لیکن کون نہیں جانتا کہ کسی معصیت کے عام ہونے یا عوام میں رائج ہونے سے وہ معصیت ختم نہیں ہوجاتی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی چیز کو جب حرام قرار دیدیا تو اس کے بعد خواہ سو بہانے کئے جائیں مگر اس کے جواز کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا، آج کل سود، بیمہ اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں جنہیں مغربی تہذیب وتمدن کی بددینی نے جنم دیا ہے ہمارے جدید تمدن میں گھس آئی ہیں اور اب پوری طرح ان کا رواج ہے، لیکن کون مسلمان ہوگا جو یہ کہنے کی جرأت کرے کہ یہ سب جائز ہیں؟ ہاں یہ ممکن ہے کہ گناہ میں عموم بلویٰ کی وجہ سے آخرت کی سزا میں کچھ تھوڑی بہت تخفیف ہوجائے، اس کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے۔

اللہ تعالیٰ رحم فرمائے قرب قیامت کی وجہ سے اس تیزی سے فتنوں پر فتنے اٹھ رہے ہیں کہ ایمان کی سلامتی مشکل ہورہی ہے اور اعمال صالحہ کی توفیق سلب ہوتی

جارہی ہے، اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ ایک مصوری کے پیٹ سے کیسے کیسے فتنے پیدا ہوں گے شریعت محمد یہ نے ابتدا ہی سے فرما دیا تھا۔

ان اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون (صحیح مسلم ج ۲ ص: ۲۰۱)

ترجمہ: یعنی سخت عذاب قیامت کے دن صورت بنانے والوں کو ہوگا۔

اور کبھی یہ فرمایا کہ ان سے کہا جائے گا کہ جو تم نے بنایا ہے اس میں روح پھونکو اور کبھی یہ ارشاد فرمایا کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے اور کہیں یہ فرمایا کہ صورت سازی حق تعالیٰ کی خالقیت کی نقل کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔

تصویر کے معاملہ میں شریعت محمد یہ کی سختی کی وجہ

تصویر کے معاملہ میں اس شدت کی بنیاد درحقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا بنیادی عقیدہ توحید ہے یعنی حق تعالیٰ کی وحدانیت کا بہ دل وجان اقرار کرنا خواہ توحید ذات الٰہی کی ہو یا توحید صفات الٰہی کی ہو یا توحید افعال الٰہی کی ہو، اسلام میں کسی قسم کا شرک قابل برداشت نہیں، اس لیے ابتدا ہی سے شریعت نے تمام اسباب شرک پر جن میں تصویر بھی شامل ہے، شدید پابندی لگادی، اسی لیے میں نے کہا کہ یہ کوئی معمولی گناہ نہ تھا، لیکن اس وقت جب کہ حق تعالیٰ نے حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کے ذریعہ یہ اعلان کرایا تھا اور یہ احکام نازل فرمائے تھے، خیال بھی نہیں گزر سکتا تھا کہ آیندہ چل کر یہ فتنہ کتنے عظیم الشان فتنوں کا ذریعہ بنے گا۔

تصویر اور اس کے گندے اور فتنہ انگیز نتائج

آج اسی مصوری کی وجہ سے حسن و جمال کی نمائش ہوتی ہے اور اسی تصویر سازی کی وجہ سے بے حیا قوموں کی عورتوں کے عریاں فوٹو، بداخلاقی، بداطواری اور خدا فراموش زندگی کا ذریعہ بن چکے ہیں، یہی لعنت شہوانی وحیوانی جذبات بھڑکانے کا سبب ہے، اسی لعنت کی وجہ سے کتنے معصوموں کا خون بہہ رہا ہے اور کتنی جانیں تلف ہورہی ہیں اور خودکشی کی کتنی وارداتیں ہورہی ہیں، تھیٹر اور سینما کے پردوں پر اسی مصوری کی وجہ سے بے حیائی کے مظاہر اور روح فرسا مناظر سامنے آرہے ہیں، اسی فتنہ کی وجہ سے نہ کسی کی آبر[illegible]ط ہے نہ تہمت تراشی سے کوئی بچ سکتا ہے، کسی کا سر اور کسی کا دھڑ لے کر جو چاہے کرشمہ سازی دکھلائی، کسی کو بدنام کرنا ہو، اس کے بالائی بدن کی صورت لے کر کسی طوائف کے عریاں فوٹو میں پیوند لگا کر جو چاہے کرلیجئے، آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ ایک بڑی قوی اسلامی مملکت کی تباہی و بربادی اور اس کے حکمران کی جلاوطنی میں یہی فتنہ ایک مؤثر عامل ثابت ہوا ہے، اس قسم کی عریاں تصویروں کے ذریعہ ملک میں ان کی

بداخلاقی و بے حیائی و بے دینی کا پروپیگنڈہ کیا گیا اور بدنامی کی انتہا کردی گئی اور آخر تخت وتاج سے محرومی کا باعث بنا، افسوس کہ واقعہ کی پوری تفصیل سے معذور ہوں، الغرض اس فتنے کے کرشموں سے نہ دین محفوظ ہے نہ اخلاق، نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ کسی کا ایمان، نہ آبرو محفوظ ہے نہ کسی کی عصمت، فواحش ومنکرات کی اشاعت میں مصوری کا اتنا بڑا دخل ہے کہ اسی کی وجہ تقویٰ وطہارت و پاکیزہ زندگی کی بنیادیں ہل گئیں، لیکن آج کل کی اصطلاح میں یہ ثقافت اور آرٹ ہے، اور غضب یہ کہ اس کو ''اسلامی آرٹ'' کا نام دیا جاتا ہے:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی ست!

تھیٹر سینما اور یہ فلمیں جن سے آج معاشرہ ہلاکت کے کنارے پہنچ گیا ہے، یہ تمام اسی مصوری کی بدولت ہے اور یہ فتنہ اتنا عام ہوگیا ہے کہ مسجدیں جو خالص عبادت گاہیں ہیں، وہ بھی اس سے محفوظ نہیں، نکاح کی محفلوں سے مقامات مقدسہ تک، ہر جگہ یہ فتنہ پہنچ گیا ہے، بعض وہ حکومتیں جو اسلامی قانون جاری کرنے کی مدعی ہیں اور وہ جن کا دعویٰ اتباع سنت ہے، ان کے ہاں یہ فتنہ اس قدر شباب پر ہے اور آب وتاب سے ہے کہ ''الامان والحفیظ'' بہر حال یہ فتنہ اتنا عالمگیر ہوگیا ہے کہ نہ مسجد بچی نہ مدرسہ، نہ اسلامی ملک بچا نہ صالح مسلمان بچے۔

(ص:۵۵)

حضرت سید محمد یوسف بنوریؒ کا پر مغز اور پر سوز اور دلدوز کلام یہاں پر مکمل ہوا اس کلام کے بعد بھی اگر کوئی شخص تصاویر میں تقسیم کرتا ہے کہ باعث فساد تصاویر عارضی طور پر از روئے قضا ممنوع ہیں اصلاً ان میں سے ممانعت کی کوئی وجہ نہیں ہے وہ شخص پر لے درجے کا بے دین اور بے عقل ہے کیونکہ وہ خالص مفسد چیز میں سے مصلح چیز کو برآمد کرنے کی کوشش کرتا ہے غامدی صاحب کی گمراہی کو ذرا دیکھیں کہتا ہے ''کہ بعض حالات میں تصاویر کی جو حرمت اور ممانعت ہے وہ شریعت کی طرف سے نہیں بلکہ قضاء قاضی کی طرف سے ہے یعنی مصلحۃً ایک آدمی کا اپنا فیصلہ ہے اندازہ لگالیجئے غامدی صاحب شریعت کے ایک حرام حکم کو کس دیدہ دلیری سے حلال کہتا ہے اور اس کو اپنے منشور کا دفعہ بناتا ہے تصویر سے متعلق غامدی کا نظریہ کفر کی سرحدوں کو چھورہا ہے غامدی کے منشور چھیڑنے اور اس کے الگ الگ دفعات پر لکھنے سے مجھے یہ خوشی ہورہی ہے کہ اس کے ضمن میں تصویر کشی فوٹو سازی اور موسیقی پر بھرپور کلام ہورہا ہے اور طلبہ وعلماء کے سامنے دین اسلام کا ایک ایک حکم واضح ہورہا ہے خاص کر حضرت بنوریؒ کا عظیم مقالہ منظر عام پر آرہا ہے۔

موسیقی سے متعلق غامدی کا گمراہ کن نیا مذہب

اوپر تصویر سے متعلق غامدی صاحب کے منشور کا جو حصہ پیش کیا گیا ہے اسی دفعہ ۱۲

کے ذیل میں غامدی صاحب لکھتا ہے کہ موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اصلاً ممنوع نہیں ہے بلکہ یہ ان کی نوعیت اوران کا استعمال ہے جو بعض حالات میں ان کی ممانعت کا سبب بن جاتا ہےاور(وہ بھی)اس طرح ازروئے تشریع نہیں بلکہ ازروئے قضاء بعض صورتوں میں ان کی حرمت کا حکم ہے(منشور: ۱۴۳)

تبصرہ: غامدی صاحب نے موسیقی کے جواز کا جوفتویٰ دیا ہے یہ ان کی کسی غلط فہمی یا اجتہاد یا تحقیق میں لغزش کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ غامدی صاحب نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت حق کے مقابلے میں ایک گمراہ کن راستے اور نئے مذہب کا انتخاب کیا ہے موسیقی کا عمل اور موسیقار لوگوں کا کردار معاشرے میں ہر کس وناکس کی نظروں میں اخلاقی اعتبار سے ایک گھٹیا کام ہے کوئی شریف آدمی سوچ بھی نہیں سکتا ہے کہ یہ غلط حرکات اور یہ غلط کام شریعت کا حصہ ہوسکتا ہے سوچنے کا مقام ہے جو کام کسی مسجد ومدرسہ کے قریب بھی برداشت نہیں کیا جاتا ہے بلکہ شرافت کی محفلوں میں بھی اس کو گوارا نہیں کیا جاتا ہے اس قبیح عمل کے بارے میں غامدی صاحب اپنے منشور میں لکھتا ہے کہ شریعت میں یہ اصلاً ممنوع نہیں ہے اور اگر خارجی اور عارضی وجوہات سے اس کو برا مان کر حرام کہا جاتا ہے تو وہ بھی شرعی اعتبار سے نہیں بلکہ کسی آدمی کے فیصلے کے اعتبار سے ہوگا گویا شریعت

نے کبھی بھی موسیقی کو حرام اور ممنوع نہیں کہا ہے غور فرمالیجئے کہ غامدی صاحب کے ہاں تصاویر اور آڈیو ویڈیو فلمیں اور باجے گاجے آرمونیم اور طبلے سارنگیاں اور رقص وسرود سے اچھا معاشرہ تشکیل پاتا ہے اس لیے انہوں نے اس کو اپنے منشور کا بنیادی حصہ بنادیا موسیقار فلمسٹار اداکار جیسے لوگوں کے یہ مخرب اخلاق افعال اور اخلاق باختہ لوگوں کی یہ ناشائستہ حرکات خبیثہ کو غامدی صاحب نے فنونِ لطیفہ کے نام سے یاد کیا ہے درحقیقت یہ فنون لطیفہ نہیں ہیں بلکہ فنون خبیثہ ہیں جو نفوسِ خبیثہ کا محبوب مشغلہ ہے غامدی صاحب نے ان قبیح افعال کو اپنی قلم کاری اور مضمون نگاری اور اپنی ہوشیاری وعیاری ومکاری ودعاری وشطاری کے زور سے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک اس کا تشریعی مقام ہے اس میں تو یہ بالکل جائز ہے دوسرا اس کا مقام قضاء ہے جو کسی قاضی کا اپنا فیصلہ ہوتا ہے تو قاضی کی قضاوت اور حکمت ومصلحت کے اعتبار سے کسی صورت کو حرام کہا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔سبحان اللہ! کسی حرام عمل کو جائز کے زمرے میں لانے کے لیے غامدی صاحب کتنی محنت کر رہا ہے اللہ تعالیٰ نے غامدی صاحب کو زور قلم عطا فرمایا قوت گویائی عطا فرمائی مضمون نگاری کا سلیقہ عطا فرمایا کاش اگر غامدی صاحب راہ راست پر چلنے لگتے اور ان کی یہ محنت حق کی حمایت کے لیے ہوتی، میں پوچھتا ہوں تصویر وموسیقی اور فنونِ لطیفہ کے اختیار کرنے میں آزاد منش اور اخلاق باختہ

لوگ غامدی صاحب کے کسی فتویٰ کے انتظار میں تو بیٹھے ہوئے نہیں تھے جس نے غامدی صاحب کو موسیقی کے جواز کے فتویٰ دینے پر مجبور کیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ غامدی صاحب کو اس خلاف شرع فتویٰ صادر کرنے کے لیے اس کے اسی گمراہ ذہنیت نے مجبور کیا جو امین احسن اصلاحی اور حمید الدین فراہی سے ان کو میراث میں ملی ہے اور پھر غامدی نے اپنے پیروکاروں کے سپرد کردی ہے ''والولد شر الثلاثۃ۔اب میں قرآن وحدیث اجماع امت اور فقہاء کے فتوؤں کی روشنی میں موسیقی سے متعلق کچھ مختصر عرض کرنا چاہتا ہوں اگرچہ موسیقی کا مسئلہ بہت وسیع اور تفصیل طلب ہے لیکن میرے پاس نہ اتنا وقت ہے اور نہ یہاں زیادہ ضرورت ہے۔

موسیقی کی حرمت وممانعت پر قرآن کی آیات

غنا اور مزامیر اور گانے بجانے کی حرمت سے متعلق قرآن عظیم میں چار آیات ہیں میں یہاں صرف دو آیتوں کو نقل کرتا ہوں پہلی آیت سورۃ لقمان میں ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

{وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ} (لقمان:۶)

ترجمہ: بعض لوگ ایسے ہیں جو ان باتوں کے خریدار ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں تا کہ بے سمجھے بوجھے اللہ کی راہ سے بھٹکائیں اور اس راہ کی ہنسی اڑائیں ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

تفسیر: شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں کہ سعدائے مفلحین کے مقابلہ میں یہ ان اشقیاء کا ذکر ہے جو اپنی جہالت اور ناعاقبت اندیشی سے قرآن کریم کو چھوڑ کر ناچ، رنگ، کھیل تماشے، یا دوسری واہیات وخرافات میں مستغرق ہیں چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی انہیں مشاغل وتفریحات میں لگا کر اللہ کے دین اور اس کی یاد سے برگشتہ کر دیں اور دین کی باتوں پر خوب ہنسی مذاق اڑائیں۔

حضرت حسن بصری لھوالحدیث کے متعلق فرماتے ہیں:

ھو کل ما شغلک عن عبادۃ اللہ وذکرہ من السمر والاضاحیک والخرافات والغناء ونحوھا (روح المعانی)

یعنی لہو الحدیث ہر وہ چیز ہے جو اللہ کی عبادت اور یاد سے ہٹانے والی ہو مثلاً فضول قصہ گوئی ہنسی مذاق کی باتیں واہیات مشغلے اور گانا بجانا وغیرہ"۔

روایات میں ہے کہ نضر بن حارث نے ایک گانے والی لونڈی خرید کی تھی جس کو دیکھتا کہ اس کا دل نرم ہوا اور اسلام کی طرف جھکا، اس کے پاس لے جاتا اور کہہ

دیتا کہ اسے کھلا پلا اور گانا سنا (کرو) یہ اس سے بہتر ہے جدھر محمد بلاتے ہیں

(تفسیر عثمانی: ۵۴۷

کا خلاصہ)

سنن بیہقی اور مستدرک حاکم اور تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے لھوالحدیث کی تفسیر میں فرمایا ''ھو واللہ الغناء'' یعنی خدا کی قسم اس سے مراد گانا ہی ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ لہوالحدیث کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ھو الغناء واشباھه۔ یعنی لہوالحدیث سے مراد گانا اور اسی قسم کی چیزیں ہیں۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ھو اشتراء المغنی والمغنیة والاستماع الیه والی مثله من الباطل۔

یعنی لہوالحدیث سے گانے والے غلام اور گانے والی لونڈی کا خریدنا اور اس کا گانا سننا مراد ہے اور اس جیسے دیگر خرافات کا سننا مراد ہے۔

(بحوالہ اسلام اور موسیقی تالیف مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ: ۹۱، ۹۲)

گانا اور طبلے باجے کی حرمت پر دوسری آیت سورۃ بنی اسرائیل میں ہے چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

{واستفزز من استطعت منھم بصوتک} (بنی اسرائیل: ۶۴)

ترجمہ: ان میں سے جس پر تو قابو پائے اسے اپنی آواز کے ذریعے

(راہ راست سے) ہٹادے۔

تفسیر: اس آیت میں ''بصوتک'' کے الفاظ ہیں اس کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے گانا مراد ہے چنانچہ روح المعانی ج ۱۵ ص: ۱۱۱ میں اس طرح ہے قال ابن جریر "بصوتک" قال باللھو و الغناء' یعنی صوت سے مراد لہوولعب اور گانا ہے علامہ سیوطی اپنی تفسیر الاکلیل میں مجاہد کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''قال مجاھد صوت الغناء و المزامیر و قال الحسن الدف'' یعنی مجاہد نے صوت کی تفسیر گانے اور آلات غنا سے کیا ہے اور حسن بصری نے صوت سے دف مراد لیا ہے ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۵۵ پر ابن عباس کی روایت میں بصوتک کی تفسیر یہ نقل کی ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جو گناہ اور نافرمانی کی طرف بلائے اور یہ بات معلوم ہے کہ گناہ کی طرف بلانے والی چیزوں میں سب سے بڑھ کر گانا ہے۔

اور اسی وجہ سے شیطان کی آواز کی تفسیر گانے سے کی گئی ہے اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ان آیات کی تفاسیر کے بعد فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیات سے ان تفاسیر کی روشنی میں بظاہر یہی بات معلوم ہوتی ہے کہ غنا و مزامیر مطلقاً حرام ہیں (بحوالہ اسلام اور موسیقی: ۱۰۳)

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ سوچنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم کتاب

قرآن مجید میں آلات لہو ولعب اور طبلے وباجے تاشے کو گمراہی کا سبب بتایا اور اس کی ممانعت کو بیان فرمایا اس کے مرتکب کو اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دین اسلام اور راہ حق سے گمراہ کرنے والا قرار دیا اور اس کے لیے ذلت آمیز عذاب کا وعدہ فرمایا باجے گاجے اور طبلے سارنگیوں کو شیطان کی ملعون آواز قرار دیا جس سے وہ لوگوں کو کھینچ کر گمراہ کرتا ہے ان آلات لہو ولعب اور باجوں گاجوں کی محافل کو بے ہودہ اور بدترین جھوٹ قرار دیا جس میں داخل ہونے والے اچھے لوگ نہیں ہوتے ہیں ایک طرف تو موسیقی کی اتنی شدید وعید اور شدید ممانعت کو دیکھئے اور دوسری طرف غامدی صاحب کو دیکھ لیجیے وہ اس کو فنون لطیفہ کہتا ہے جو اصلاً ممنوع نہیں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ممنوع ہیں غامدی کہتا ہے ممنوع نہیں ہے یہ بات انتہائی خطرناک ہے پھر سوال یہ ہے کہ غامدی ایک ناجائز کام کو جائز کہہ کر اسلام اور مسلمانوں کی کونسی خدمت کر رہا ہے اس لکھنے کا فائدہ کیا ہے اور پھر منشور کا دفعہ بنا کر اس کو اتنا اہم کیوں بناتا ہے بس صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس شخص کی رگ وریشہ میں گمراہی گھر کر چکی ہے اب ہر جگہ اس کو رحمان کے نظام کے مقابلے میں شیطان کا نظام اچھا لگتا ہے

؎ رحمان کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم شرم مگر تم کو آتی نہیں

شیطان کی آواز کی تفصیل

سورۃ بنی اسرائیل کی آیت میں ’’صوتک‘‘ سے تمام مفسرین نے شیطان کی آواز مراد لی ہے اور شیطان کی آواز سے گانے اور باجے تاشے مراد لیا ہے شیطان چونکہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس نے کھل کر بغاوت کیا اور پھر قسم کھا کر بغاوت کے راستے کو اختیار کرنے اور لوگوں کو اس پر چلانے کا اعلان کیا اللہ تعالیٰ نے نبی آخرالزمان کے ذریعہ سے شیطان کے ہر راستے کو مسدود کرنے کا انتظام فرمایا چونکہ شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کو شیطان کی آواز بہت بری لگتی ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں شیطان کی آواز سے بھرپور نفرت کا اظہار کیا گیا ہے اور جہاں جہاں شیطان کی آواز سے مشابہ کوئی آواز اٹھتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو ممنوع اور حرام قرار دیتا ہے۔

شیطان کی آواز اگر کسی نے نہیں سنی ہے تو جن لوگوں پر جنات چڑھ آتے ہیں وہ لوگ ابتدا میں ایک پتلی اونچی چیخ مارتے ہیں جس سے ہر سننے والا خوفزدہ ہوجاتا ہے یہی شیطان کی آواز ہے کیونکہ جنات اور شیاطین ایک ہی نوع ہے فرق اتنا ہے کہ جو کم شرارتی ہو وہ جنات ہیں جو انتہائی شرارتی ہو وہ شیاطین ہیں اور جن میں شرارت نہ ہو وہ پریاں ہیں تو جنات کی آواز اور شیطان کی آواز ایک طرز پر ہے گوّے اور ڈھوم جب گانا گاتے ہیں تو ان کی آواز شیطان کی طرح ہوتی ہے آرمونیم اور باجے گاجے بانسری کی آواز اسی طرح ہوتی ہے اسی لیے قرآن

وسنت میں ان آوازوں کو شیطان کی آواز کہہ کر حرام قرار دیا ہے سورت بنی اسرائیل کی آیت میں جو ''بصوتک'' کا کلمہ ہے مفسرین نے شیطان کی آواز ہی کو گانا قرار دیا ہے مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں معلوم ہوا گانا بجانا شیطان کا ہتھیار ہے جس کے ذریعہ سے وہ نوع انسان کو سیدھا راستے سے بھٹکانے کا کام لیتا ہے۔

اسی طرح مصیبت کے وقت میت پر نوحہ اور بین کرنے کو حرام قرار دیا گیا ہے کیونکہ نوحہ خوانی اور سوز خوانی میں بھی شیطان کی آواز کی طرح آواز ہوتی ہے شیعہ روافض کا تو پورا لہجہ شیطان کی آواز میں ہے خواہ قرآن پڑھے یا کوئی دعا مانگے عمدۃ القاری نے ایک روایت نقل کی ہے الفاظ یہ ہیں: ولا یغنی الا الشیطان' گانا صرف شیطان گاتا ہے بہرحال شیطان کے مشابہ افعال اور شیطان کے مشابہ اصوات واقوال سے اسلام منع کرتا ہے۔

موسیقی کی حرمت وممانعت پر چند احادیث

(۱) عن عبدالرحمن بن غنم قال حدثنی ابو عامر اوابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحر والحریر والخمر والمعازف

(رواہ البخاری فی الاشربۃ)

حضرت عبدالرحمن بن غنم سے روایت ہے کہ مجھے ابو عامر یا ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ عن قریب میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو زنا، ریشم، شراب اور باجوں کو حلال سمجھیں گے (بخاری)

(۲) عن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حلت بھم البلاء وفیہ واتخذ القیان والمعازف (رواہ الترمذی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری امت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے آنحضرت نے ان پندرہ چیزوں میں ایک یہ بھی بتائی کہ جب مغنی عورتیں اور باجے تاشے رواج پکڑ جائیں (ترمذی)

(۳) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

ان اللہ حرم الخمر والمیسر والکوبۃ والغبیراء و کل مسکر حرام

(رواہ احمد وابو داؤد)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے شراب، جوا، طبل اور طبنور کو حرام کیا ہے نیز ہر نشہ آور چیز حرام ہے (ابوداؤد)

(۴) عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال الکوبۃ حرام والدن حرام

والمزامیر حرام (رواه احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرمایا کہ طبل حرام ہے شراب حرام ہے اور بانسریاں باجے تاشے حرام ہیں

(۵) عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله عليه وسلم قال استماع الملاهی معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر

(نیل الاوطار ج۸ ص: ۱۰۰)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا باجا سننا گناہ ہے اس کے لیے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے (نیل الاوطار)

(۶) عن علی رضی الله عنه ان النبی صلی الله عليه وسلم قال بعثت بکسر المزامير (نیل الاوطار حوالہ بالا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں موسیقی کے آلات توڑنے کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

(۷) وعن عمر رضی الله عنه مرفوعاً ثمن القنية سحت وغنائها حرام

(رواه الطبرانی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ کا یہ قول مرفوعاً مروی ہے کہ مغنیہ کی اجرت اور اس کا گانا دونوں حرام ہیں (طبرانی)

(۸) وعن ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء البقل (ابو داود و بیہقی)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سبزہ کو اگاتا ہے (ابوداود)

(۹) وعن ابی ہریرة رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال حب الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء العشب (اخرجه الدیلمی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ گانے کی محبت دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتی ہے جس طرح پانی گھاس اور سبزہ اگاتا ہے (دیلمی)

(۱۰) وعن انس رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من قعد الی قینة یستمع منها صب اللہ فی اذنیه الآنک یوم القیامة (رواہ السیوطی فی جامع الصغیر و علیه علامة الضعف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی مغنیہ باندی کا گانا سنے قیامت کے دن اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا (ابن عساکر و سیوطی)

(۱۱) وعن انس و عائشة رضی اللہ عنهما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

قال صوتان ملعونان فی الدنیا والاخرۃ مزمار عند نغمۃ ورنۃ عند مصیبۃ (رواہ البزار والبیھقی وابن مردویۃ وکنز العمال)

حضرت انس اور حضرت عائشہ دونوں سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو قسم کی آوازیں ایسی ہیں جن پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی ہے ایک تو خوشی کے موقع پر باجے تاشے کی آواز اور دوسرے مصیبت کے موقع پر آہ و بکا اور نوحہ کی آواز (بیہقی)

(۱۲) وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما رفع احد صوتہ بغناء الا بعث اللہ علیہ شیطانین یجلسان علی منکبیہ یضربان باعقابھما علی صدرہ حتی یمسک (رواہ ابن ابی الدنیا وابن مردویہ ورواہ الطبرانی باسانید وثق البعض وضعف البعض)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بھی کوئی شخص گانے کے لیے آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس دو شیطانوں کو بھیج دیتا ہے جو اس کے کندھے پر بیٹھ کر اپنی ایڑیاں اس کے سینے میں مارتے رہتے ہیں تا وقتیکہ وہ خاموش ہو جائے (طبرانی)

(۱۳) وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن الغناء والاستماع الی الغناء (رواہ الطبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے گانا گانے اور گانا سننے سے منع فرمایا ہے (طبرانی)

مذکورہ بالا تمام احادیث علامہ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب کف الرعاع میں نقل کی ہیں اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' میں اس کو شامل کیا ہے اس میں کل بتیس احادیث ہیں میں نے صرف تیرہ کو لیا ہے حضرت مفتی صاحب نے کل ۴۲ احادیث کو نقل کیا ہے ان بتیس احادیث میں جو ضعیف ہیں ان کی طرف بھی مفتی صاحب نے اشارہ کیا ہے آخر میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ ان احادیث کی روشنی میں موسیقی اور مسئلہ غناء پر اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں ''ان بتیس احادیث اور ان کی تحقیق وتخریج پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اباحت غنا ومزامیر کے دعویداروں کا یہ خیال درست نہیں کہ گانے باجے کی حرمت پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث بھی صحیح سند سے مروی نہیں ہے کیونکہ گزشہ اوراق میں کئی احادیث ایسی بھی گزری ہیں جن کی صحت نہایت واضح ہے (اسلام اور موسیقی ص:۱۵۶)

غامدی صاحب مانے یا نہ مانے میں نے موسیقی کے حوالہ سے قرآن وحدیث کی بہت ساری نصوص کو اس لیے جمع کیا ہے تا کہ کوئی عالم یا طالب علم یا عام مسلمان ان سے فائدہ اٹھائیں کیونکہ موسیقی سے متعلق ایک جگہ پر کافی ذخیرہ اکٹھا ہوگیا ہے ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔

موسیقی کی حرمت پر صحابہ اور سلف صالحین کے اقوال

حضرت قاسم بن محمدؒ کا قول:

(۱) قال القاسم بن محمد الغناء باطل و الباطل فی النار

(تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۹۵۲)

قاسم بن محمدؒ نے فرمایا کہ باجے گاجے باطل کام ہے اور ہر باطل دوزخ میں ہے آپ نے یہ بھی فرمایا لعن اللہ المغنی و المغنی له
(حوالہ بالا) اللہ تعالیٰ گانے والے اور جس کے لیے گایا جائے دونوں پر لعنت بھیجتا ہے۔

حضرت یزید بن ولیدؒ کا قول:

(۲) عثمان ✸ رحمہ اللہ یزید بن ولید ناقص کا مقولہ اس طرح نقل کرتے ہیں

یا بنی امیة ایاکم و الغناء فانه ینقص الحیاء و یزید فی الشهوة و یهدم المروة و انه لینوب عن الخمر و یفعل ما یفعل المسکر فان کنتم لا بد فاعلین فجنبوه النساء فان الغناء داعیة الزنا (حوالہ بالا)

اے بنو امیہ! تم گانے سے بچو کیونکہ یہ شرم و حیاء کو گھٹاتا ہے اور شہوت کو بڑھاتا ہے اور اخلاق و مروت کو ختم کر کے گراتا ہے اور یہ گانا شراب کا نائب ہے اور یہ نشہ کا کام کرتا ہے اگر تم اس سے بچ نہیں سکتے تو کم از کم

عورتوں کو اس سے دور رکھو اس لیے کہ گانا زنا کا محرک اور داعی ہے۔

حضرت ضحاکؒ کا قول:

(۳) محدث ضحاک رحمہ اللہ کا قول یہ ہے:

الغناء منفدة للمال سخطة للرب مفسدة للقلب (حوالہ بالا)

باجے تاشے مال کو ختم کرتا ہے رب کو ناراض کرتا ہے اور دل کو بگاڑتا ہے

حضرت عثمان بن عفانؓ کا قول:

(۴) حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ماغنيت ولا تمنيت ولا مسست ذكري بيميني منذ بايعت رسول الله صلى الله عليه وسلم (عوارف المعارف للامام السهروردی)

جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے نہ میں نے کبھی گانا گایا ہے نہ اس کی تمنا کی ہے نہ جھوٹ بولا ہے اور نہ اپنی شرمگاہ کو داہنے ہاتھ سے چھوا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول:

(۵) بیہقی میں ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا گزر ایک بچی کے پاس سے ہوا جو بیٹھی ہوئی تھی اور گانا گارہی تھی، حضرت ابن عمر نے اسے دیکھ کر فرمایا:

لو ترک الشیطان احداً لترک ھذہ (بیہقی ج ۱۰ ص: ۲۲۳)

یعنی اگر شیطان کسی کو گمراہ کیے بغیر چھوڑتا تو اس بچی کو ضرور چھوڑ دیتا (لیکن وہ کسی کو نہیں چھوڑتا خواہ معصوم بچی کیوں نہ ہو)

حضرت جابرؓ کا قول:

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح ہے:

احذروا الغناء فانه من قبل ابلیس وھو شرک عند الله، ولا یغنی الا الشیطان (عمدۃ القاری ج۳ ص: ۳۵۹)

حضرت جابر فرماتے ہیں کہ گانے سے بچو اس لیے کہ وہ ابلیس کی طرف سے ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرک جیسا گناہ ہے اور گانا شیطان کے سوا کوئی نہیں گاتا۔

حضرت عائشہؓ کا قول:

(۸) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی کے گھر ایک گوّیے کو دیکھا جس کے بڑے بڑے بال تھے اور جھوم جھوم کر گانا گا رہا تھا حضرت عائشہ نے فرمایا:

اف! شیطان اخرجوہ اخرجوہ اخرجوہ (سنن کبریٰ بیہقی ج ۱۰ ص: ۲۲۴)

حضرت عائشہ نے فرمایا اف یہ تو شیطان ہے اسے گھر سے نکالو، اسے

گھر سے نکالو، اسے گھر سے نکالو۔

حضرت سعید بن المسیبؒ کا قول:

(۹) حضرت سعید بن المیسب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انی لابغض الغناء واحب الزجر (مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص: ٦)

میں گانے سے نفرت کرتا ہوں اور میدان جنگ میں بہادری کے رجز کے اشعار کو پسند کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول:

(۱۰) الغناء ینبت النفاق فی القلب (تفسیر السراج المنیر ج ۳: ۱۸۱)

وقال کنا نتتبع الازقة نخرق الدفوف من ایدی الصبیان

(الامر بالمعروف والنھی عن المنکر ۱۴۸)

یعنی گانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ہم گلیوں میں تلاش کر کے بچوں کے ہاتھوں سے دف چھینتے اور پھاڑ دیتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاضؒ کا قول:

(۱۱) حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ جو صوفیائے کرام کے امام ہیں ان کا مشہور مقولہ ہے: ''الغناء رقیة الزنا'' یعنی گانا بجانا زنا کا منتر ہے (المصنوع:۹۵)

ایک حقیقت کی طرف اشارہ

موسیقی غنا اور مزامیر اور معازف وملاھی کے جو الفاظ ہیں اس سے تو معروف باجے گاجے مراد ہوتے ہیں اس کی حرمت میں تو غامدی صاحب کے علاوہ کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ واضح آیات اور اس کی تفسیرات اور احادیث مقدسہ کی روایات میں اس کے حرام ہونے کو کھل کر بیان کیا گیا ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اپنی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' میں لکھتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہیے کہ ''معازف'' ان باجوں کو کہا جاتا ہے جو منہ سے بجائے جاتے ہیں اور ملاھی ان آلات کو کہا جاتا ہے جو ہاتھوں سے بجائے جاتے ہیں ائمہ اربعہ باتفاق ان کی حرمت کے قائل ہیں البتہ ولیمہ، سحری یا کسی اور غرض صحیح کے لیے ''ڈھول'' ''دف'' کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں (اسلام اور موسیقی ص: ۱۶۲)

بندہ عاجز کہتا ہے کہ مباحث غناء اور موسیقی میں ایک اور لفظ آتا ہے جس کو ''سماع'' کہتے ہیں اس لفظ سے موسیقی کے مباحث میں ایک التباس پیدا ہوجاتا ہے اس لیے کہ فقہاء سماع کی اباحت میں اختلاف نقل کرتے ہیں تو ناواقف آدمی سمجھتا ہے کہ کہیں موسیقی کے جواز اور عدم جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ موسیقی مزامیر معازف اور طبلے باجوں کے ساتھ گانے بجانے کو

کسی قابل اعتماد شخص نے کبھی جائز نہیں کہا ہے البتہ ''سماع'' ایک ایسا عمل ہے جس میں دل نرم کرنے والے اشعار پڑھے جاتے ہیں آخرت کے یاد کرنے کے مضامین ہوتے ہیں اس میں طبلے باجے ڈھول ڈھولک آرمونیم کے آلات نہیں ہوتے ہیں صرف دف ہوتا ہے سماع میں بھی علماء تصوف نے سخت شرائط رکھی ہیں پھر یہ بھی جمہور کا فیصلہ نہیں ہے۔جمہور علماء وصلحاء مطلقاً سماع کا انکار کرتے ہیں اور اس پر نکیر کرتے ہیں البتہ اہل تصوف کا ایک مختصر طبقہ چند شرائط لگا کر سماع کا قائل ہے وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) جب صرف جدوجہد اور جوش پیدا کرنے والے اشعار ہوں

(۲) جب بے ریش لڑکوں سے اختلاط نہ ہو اور نہ ان سے اشعار پڑھوائے جارہے ہوں

(۳) اس محفل میں عورت ذات کا وجود بالکل نہ ہو (۴) کسی قسم کا طبلہ باجا ساتھ نہ ہو (۵) یاد آخرت اور تذکرہ حبیب کے لیے ہو اس میں قبیح اشعار بالکل نہ ہوں

(۶) سننے والے ریا کار بدکار دنیوی اغراض والے نہ ہوں۔

(۷) اجرت پر محفل سماع قائم نہ ہو اور نہ پڑھنے والا اجرت لیتا ہو۔

حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ''سماع کی ناقص کو اجازت نہیں کامل کو

ضرورت نہیں''۔ (توضیحات ج ۷ ص ۳۰)

بہر حال اس طرح خالص سماع آج کل کہاں ہے اور شرائط کہاں ہیں اور ایسے خالص لوگ کہاں ہیں پھر بھی سماع کا تعلق موسیقی سے نہیں ہے دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

موسیقی اور مجرد اشعار گانے میں فرق نہ کرنے سے بھی دونوں میں التباس آتا ہے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ ذاتی وحشت دور کرنے کے لیے یا ادبی مہارت پیدا کرنے کے لیے مجرد اشعار کا گانا جائز ہیں جس میں نہ چنگ ہو نہ ستار ہو نہ رباب ہو نہ طبلہ ہو نہ باجا ہو نہ آرمونیم ہو۔ صحابہ کرام اور تابعین ومجاہدین نے جو اشعار گائے ہیں وہ اسی قسم کے اشعار تھے اس کو کوئی بھی انصاف پسند ذی شعور آدمی موسیقی نہیں کہہ سکتا ہے۔

ایک حقیقت کا اظہار

موسیقی کے جواز کے لیے جن خواہش پرستوں نے استدلال کیا ہے ان کے پاس قرآن وحدیث اور فقہاء کے فتاوٰوں میں کوئی گنجائش نہیں ہے اب سوال یہ ہے کہ جواز کا یہ فتنہ اور فساد کہاں سے پیدا ہوا ہے تو مفتی شفیع رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' ص: ۱۵۴ اور اس کے بعد صفحات میں تین اشخاص کا نام لیا ہے جنہوں نے گانا گانے کو جائز کہا ہے ان کے علاوہ پوری امت مسلمہ میں دور

اول سے آج تک کسی معتمد شخص نے غنا اور مزامیر کو حلال نہیں کہا ہے وہ تین اشخاص یہ ہیں

(۱) علامہ محمد بن حزم ظاہری

علامہ ابن حزم جن کا تعلق غیر مقلدین طبقہ سے ہے انہوں نے غناء اور مزامیر کے جواز کا قول کیا ہے مگر ان کے قول کا اعتبار نہیں ہے وہ پہلے شافعی مسلک تھے پھر اہل ظواہر میں سے داؤد ظاہری کے نقش قدم پر چلنے لگے ان کی تنقید بلکہ تنقیص کی تلوار سے شاید ہی کوئی مجتہد بچا ہو فقہاء اربعہ پر ان کی زبان درازی حد سے زیادہ تھی کہتے ہیں ان کا قلم اور حجاج بن یوسف کی تلوار دونوں کا انداز بالکل یکساں تھا جو سامنے آیا اس کو کاٹتا چلا گیا بیسیوں مسائل میں انہوں نے امت مرحومہ سے الگ راستہ اختیار کیا ان پر اہل حدیث ہونے کے باوجود عقلیات کا غلبہ ہو گیا تھا ان کی عدم تقلید، کثیر تفردات، جمہور امت سے بکثرت انحراف، علماء سلف بالخصوص ائمہ مجتہدین پر تنقید بلکہ تنقیص جیسے امور نے عام مسلمانوں اور زمانے کے علماء دونوں کو اضطراب میں ڈال دیا اور انہوں نے شدت سے ابن حزم کی مخالفت کی چنانچہ ابن خلکان نے وفیات الاعیان ج ۱ ص: ۱۴۳ میں ابن حزم کے بارے میں لکھا ہے عربی عبارت کا ترجمہ اس طرح ہے:

ابن حزم علمائے متقدمین پر کثرت سے حملے کیا کرتے تھے مشکل ہی سے کوئی

عالم ان کی زبان سے بچ پاتا تھا اسی لیے لوگوں کے دلوں میں ان کے اس رویہ کی وجہ سے ان کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی اور وہ فقہاء وقت کے ایسے ہدف بن گئے کہ وہ سب ان سے بغض رکھنے پر متفق تھے انہوں نے ابن حزم کے اقوال کی تردید کی اور بیک زبان انہیں گمراہ قرار دیا، ان پر نکیر کی، بادشاہوں کو ان کے فتنہ سے ڈرایا عوام الناس کو ان کے پاس جانے اور ان کی صحبت اختیار کرنے سے روکا یہاں تک کہ بادشاہوں نے ان کو اپنے آپ سے دور کرنے کے لیے شہر بدر کر دیا آخر کار وہ ایک دیہات میں جا کر رہنے لگا اور وہیں پر ان کا انتقال ہوگیا

(وفیات الاعیان ج ۱ ص: ۳۴۱)

علامہ صالح بن طاہر جزائری نے اپنی کتاب توجیہ النظر الی اصول الاثر ص: ۳ پر لکھا ہے کہ علامہ ابن حزم نے اپنی تصانیف میں بکثرت جمہور امت سے اختلاف کیا ہے اور اکثر غلط راستے پر نکل گئے ہیں اور اس کے باوجود اصحاب علم بلکہ علماء اعلام پر شدید طعن و تشنیع بھی کرتے ہیں اس کی وجہ شاید وہی ہے جو اس نے اپنی تصنیف ''مداوۃ النفوس'' میں لکھی ہے لکھتے ہیں کہ مجھے ایک بیماری ہوگئی ہے میری تلّی بڑھ گئی ہے اس بیماری نے میرے اندر تنگ دلی درشت مزاجی قلت صبر اور چڑ چڑا پن پیدا کر دی ہے۔

یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جب میں اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو اپنے اخلاق کی

تبدیلی پر حیران رہ جاتا ہوں اور اپنے مزاج اور طبیعت کے بدل جانے پر بہت تعجب کرتا ہوں (بحوالہ اسلام اور موسیقی: ۴۱۷)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ان تمام وجوہ کی بنا پر وہ ایک دو نہیں بلکہ بیسیوں مسائل میں ساری امت سے الگ راہ اختیار کرتے ہیں جو نہ صرف دلائل کے خلاف ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات ایسی مضحکہ خیز اور عجیب وغریب ہوتی ہے کہ ایک عام مسلمان بھی بداہۃً اس کی تردید کرسکتا ہے (۱۱۵)

حضرت مفتی صاحب نے اس کی تین مثالیں پیش فرمائی ہیں

(۱) چنانچہ ابن حزم کے نزدیک کنواری لڑکی سے جب نکاح کی اجازت طلب کی جائے تو اس کا نکاح اسی وقت درست ہوسکتا ہے جب وہ خاموش رہ کر اپنی رضامندی کا اظہار کرے لیکن اگر وہ اپنی رضامندی زبان اور منہ سے بول کر کرے تو اس کا نکاح باطل ہوجائے گا (المحلی ج ۹ ص: ۴۷۱)

(۲) دوسری مثال یہ کہ ٹھہرے ہوئے پانی میں اگر پیشاب کردیا جائے تو وہ ناپاک ہوجاتا ہے اس سے غسل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر اس میں پاخانہ کردیا جائے اور پھر غسل کیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اسی طرح اگر پیشاب پانی کے حوض سے باہر کیا جائے اور وہ بہہ کر اندر چلا جائے تو اس سے بھی غسل کرنا جائز ہے کیونکہ اس پانی کے اندر پیشاب نہیں کیا گیا بلکہ باہر کیا گیا ہے لہٰذا جائز ہے۔

(المحلیٰ ج ۱ ص: ۱۳۵)

یاد رہے یہ مسلک داؤد ظاہری کا ہے اور ابن حزم داؤد ظاہری کا پکا مرید ہے درحقیقت غناء ومزامیر کا معاملہ بھی اسی طرح ہے جس میں ابن حزم پوری امت سے بالکل الگ نظر آتے ہیں ابن حزم کہتے ہیں کہ حرمت غناء ومزامیر کی کوئی حدیث صحیح نہیں ہے حالانکہ وہ فیصلہ میں اتنا نابلد نظر آتے ہیں کہ امام ترمذی کے بارے میں کہتے ہیں کہ محمد بن عیسی بن سورہ صاحب سنن ترمذی مجہول ہیں خلاصہ یہ کہ غنا ومزامیر کے بارے میں علامہ ابن حزم کی رائے بالکل ناقابل اعتبار ہے اور ان کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ اس میں کوئی حدیث صحیح نہیں ہے۔

(اسلام اور موسیقی ص: ۴۱۹ و ۴۲۹)

(۲) علامہ محمد بن طاہر مقدسی

غنا اور مزامیر کو جائز کہنے والے دوسرے بزرگ ابوالفضل علامہ محمد بن طاہر مقدسی صاحب متوفی ۵۰۷ھ ہیں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حقیقت یہ ہے کہ غنا ومزامیر کو حلال قرار دینے میں اور اس کے لیے مواد فراہم کرنے میں جتنا ہاتھ ان کا ہے پوری امت مسلمہ میں غالباً کسی اور کا نہیں ہے اس نے مستقل ایک کتاب ''السماع'' لکھی ہے اور اس میں ایسی ایسی خرافات جمع کی ہیں جو اپنی مثال آپ ہیں ان کی یہی کتاب قائلین اباحت غنا کا سب سے بڑا

ہتھیار رہی ہے اور ان کے اکثر دلائل اسی کتاب سے ماخوذ ہوتے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے بارے میں تفصیل سے کلام کیا جائے کہ غناومزامیر کے دلائل خود اپنی سند سے فراہم کرنے والا شخص کیسا ہے آیا اس پر اعتبار کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ (اسلام اور موسیقی: ۴۲۱)

علامہ محمد بن طاہر مقدسی پر علامہ ابن جوزی کی تنقید

علامہ ابن جوزی ''المنتظم'' ج ۹ ص: ۱۷۹ پر محمد طاہر مقدسی کے متعلق لکھتے ہیں کافی لمبی عبارت کے چیدہ چیدہ کلمات اس طرح ہیں

(۱) علامہ محمد بن طاہر مقدسی نے ''صفوۃ التصوف'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جسے دیکھ کر ہر شخص کو ہنسی آتی ہے اور ان کے استشہادات پر تعجب ہوتا ہے جو انہوں نے مسلک صوفیہ کی نصرت کے لیے ایسی احادیث سے کیے ہیں جو اس مقصد سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتیں۔

(۲) علامہ محمد بن طاہر مقدسی مذہباً داؤد ظاہری کے پیروکار تھے۔

(۳) ابن سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے شیخ حافظ اسماعیل بن احمد سے ابن طاہر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان کی بہت برائی کی اور وہ ابن طاہر کے بارے میں بڑی بُری رائے رکھتے تھے۔

(۴) ابن سمعانی کہتے ہیں کہ میں نے ابوالفضل بن ناصر سے سنا ہے کہ ابن

طاہر لائق احتجاج نہیں ہے انہوں نے ایک کتاب بے ریش لڑکوں کی طرف دیکھنے کے جواز کو ثابت کرنے کے لیے لکھی ہے ابن ناصر نے فرمایا کہ ابن طاہر مذہب اباحت کے قائل تھے (یعنی ہر کچھ جائز ہے)

ابن طاہر مقدسی پر امام ذھبیؒ کی تنقید

حافظ محمد بن طاہر مقدسی علم حدیث میں قوی نہیں ہیں اس لیے کہ ان کی کتابوں میں بہت زیادہ اوہام ہیں وہ عبارتوں کو غلط لکھتے اور غلط پڑھتے تھے اس میں انہوں نے بہت سے مقامات میں بدترین غلطیاں کی ہیں حافظ ذھبی نے مزید فرمایا کہ ابن طاہر طریق سنت کو چھوڑ کرنا پسندیدہ تصوف کی طرف مڑ گئے تھے۔

(میزان الاعتدال ج ۳ ص: ۵۸۷)

ابن طاہر مقدسی پر علامہ ابن حجرؒ کی تنقید

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن طاہر پر لسان المیز ان کی لمبی عبارت میں خُوب تنقید کی ہے چند جملے یہ ہیں:

(۱) دقاق رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے کہ ابن طاہر ملامتی صوفی تھے اور ان کو سماع کے باب میں احادیث کی ادنی معرفت بھی نہیں تھی انہوں نے اپنی سند سے ایک حدیث اباحت کی مجھے بھی سنائی اللہ تعالیٰ ہمیں اباحت غنا اور صوفیہ

میں سے جو اس کے قائل ہیں ملاحظہ فرمائیں

شافعی صغیرؒ کی ابن طاہر پر تنقید

شافعی صغیر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نہایۃ المحتاج ص:۲۸۱ ج ۸ میں لکھا ہے کہ وہ قصہ جس سے عُود ''باجوں'' کی حلت معلوم ہوتی ہے وہ مردود ہے اور وہ جو ہم نے اس سلسلے میں بعض صوفیاء وقت سے سنا ہے اس میں ابن حزم کے کلام اور ابن طاہر کے اباطیل وہفوات کی پیروی کی گئی ہے اور اوتار وغیرہ کی حلت میں ابن طاہر کے بدترین جھوٹ کی طرف نہ دیکھا جائے اس لیے کہ اس کی سیرت مذموم ہے اور ساتھ ہی ائمہ کے نزدیک اس کا قول مردود ہے بعض علماء نے اس کی بہت تحمیق و تضلیل کی ہے بالخصوص امام اذرعیؒ نے اپنی کتاب توسط میں، اور یہ اوتار وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے رکنا واجب ہے اور لازم ہے کہ اس سلسلے میں مذاہب اربعہ کے ائمہ کی پیروی کی جائے نہ کہ ان لوگوں کی بات کو مانا جائے جنہوں نے جھوٹ گھڑ لیا ہے اور ابن طاہر نے شیخ ابو اسحاق شیرازی کے بارے میں جو یہ نقل کیا ہے کہ وہ عود ''گانے'' سنتے تھے سو وہ بھی ان کی دیگر جھوٹوں کی طرح ایک جھوٹ ہے

(۳) ابو الفرج اصفہانی

تیسرے وہ بزرگ کہ اباحت غناو مزامیر کے اثبات کے لیے ان کی کتابوں کے حوالے دیئے جاتے ہیں وہ شخص ابوالفرج اصفہانی ہے جن کی کتاب الاغانی بہت مشہور ہے بلاشبہ یہ کتاب اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے ابوالفرج اصفہانی نے اپنی اس کتاب میں اپنے زمانے تک کے تمام بدکاروں، زناکاروں، عیاشوں، شرابیوں، ڈانسروں، گویّوں اور موسیقاروں کے حالات ذکر کیے ہیں اسی میں انہوں نے بعض بزرگوں کے قصے بھی نقل کر دیے ہیں جن کے اسانید بہت ضعیف بلکہ خودساختہ ہیں اس صاحب کا بھی کچھ تذکرہ علماء کی زبانی سن لیجئے۔

ابوالفرج اصفہانی پر علامہ ابن جوزیؒ کی تنقید

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ اپنی کتاب المنتظم ج ۷ ص: ۴۰ پر ابوالفرج کے بارے میں لکھتے ہیں: ابوالفرج اصفہانی نے بہت ساری کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں ''الاغانی'' اور کتاب ایام العرب بھی شامل ہیں جس میں انہوں نے ایک ہزار سات سو دنوں کا ذکر لکھا ہے

ابوالفرج اصفہانی شیعہ تھے اور ان جیسے آدمی کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے اپنی کتابوں میں ایسی باتوں کو بڑی صراحت سے لکھ جاتے ہیں جن سے ان پر فسق لازم آتا ہے اور شراب پینا ہلکا معلوم ہوتا ہے بعض اوقات خود اپنے شراب

پینے کا قصہ بیان کرتے ہیں جو شخص ان کی کتاب الاغانی کو غور سے پڑھے وہ اس میں ہر قسم کا قبیح اور منکر کو پائے گا۔

ابوالفرج پر ابن تعزی رحمہ اللہ کی تنقید

کان اخباریاً نسابأ شاعر أظاهر ابالتشیع (النجوم الظاهرة ج۴: ۱۵)

ابوالفرج ایک صحافی ماہر نسب اور کٹر شیعہ تھے

ابوالفرج پر علامہ ابن حجرؒ کی تنقید

حسن بن حسین نوبختی کہتے ہیں کہ ابوالفرج تمام لوگوں میں سب سے بڑے جھوٹے تھے وہ بہت سی کتابیں خرید لیتے تھے اور پھر ان میں سے روایتیں چرا لیتے تھے دنیائے اسلام کی تاریخ میں یہی تین بزرگ ہیں جنہوں نے اباحت غنا و مزامیر کے لیے من گھڑت روایات جمع کی ہیں جن کی نہ سند صحیح اور نہ روایت صحیح یہی بے سر و پا داستانیں ان لوگوں کے لیے کل سرمایہ ہے جو موسیقی کے قائل ہیں روایات اور سندات سے بڑھ کر ان اشخاص کی اخلاقی گراوٹ اتنی ہے کہ ان کو عام مجالس میں بطور سند پیش کرنا خود باعث شرم ہے ان تین میں دو اول الذکر غیر مقلد ہیں جو ائمہ اربعہ کے گستاخ ہیں ان سے یہی توقع تھی اور تیسرے صاحب تو کٹر شیعہ تھے ان کا دین کے ساتھ لگاؤ اور تقویٰ کا معیار ہر کوئی سمجھ سکتا

ہے (بحوالہ اسلام اور موسیقی ص۴۱۵ تا ص۴۳۰ کا خلاصہ)

جاوید غامدی صاحب بھی عدم تقلید اور آزاد خیالی کا بڑا علمبردار ہے لہذا وہ انہیں جیسے لوگوں کا پیروکار ہے اچھے لوگوں کا تو کبھی منہ نہ دیکھا جو دیکھا تو وہ دیکھا جو دیکھا۔

موسیقی کے بارے میں علماء احناف کا فتویٰ

پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ ایک موسیقی ہے جو باجوں طبلوں کے ساتھ ہوتا ہے جو آج کل معروف ہے یہ سب کے نزدیک حرام ہے لوگوں کو التباس اس سے پیدا ہوجاتا ہے کہ صوفیوں کے محافل سماع پر بھی موسیقی کا گمان ہوجاتا ہے اور مسئلہ سماع میں اختلاف ہے لوگ سمجھتے ہیں کہ غنا ومزامیر میں بھی اختلاف ہے یہ خیال غلط ہے دوسرا التباس مجرد اشعار گانے سے بھی پیدا ہوجاتا ہے اس کو بھی گانا کہا جاتا ہے حالانکہ تنہا آدمی مجرد اشعار گاتا ہے اور وحشت دور کرتا ہے اس میں اختلاف نہیں ہے اگرچہ مالکیہ اس کو بھی پسند نہیں کرتے ہیں اب علماء احناف کے مختصر فتاوٰں کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے تا کہ مسئلہ صاف ہوجائے۔

بدائع صنائع میں علامہ کاسانیؒ کا فتویٰ

جس مغنی کے گرد لوگ گانے سے مزے لینے کے لیے جمع ہو جاتے ہوں وہ عادل نہیں خواہ شراب نہ بھی پیتا ہو کیونکہ وہ بدکاروں کا سرغنہ ہے البتہ اگر وہی تنہائی میں وحشت دور کرنے کے لیے گائے تو کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ مجرد اشعار کے سماع سے دل میں رقت پیدا ہوتی ہے البتہ فاسقانہ انداز میں مزے اڑانے کو حلال نہیں کہا جاسکتا ہے رہا وہ شخص جو کسی آلہ موسیقی سے شغل کرتا ہو تو دیکھا جائے گا کہ وہ آلہ فی نفسہ برا ہے یا نہیں اگر فی نفسہ برا نہ ہو جیسے بانس اور دف تو کوئی مضائقہ نہیں ہے اور وہ شخص عادل ہی رہے گا اور اگر وہ آلہ شنیع اور برا ہو جیسے عود باجے تاشے وغیرہ تو اس شخص کی عدالت ختم ہو جائے گی کیونکہ یہ (عود وغیرہ) کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہے (بدائع صنائع ج۶ ص:۲۶۹)

خلاصۃ الفتاویٰ کا فتویٰ

علامہ محمد طاہر بن احمد بخاریؒ لکھتے ہیں:

کہ فتاویٰ میں ہے کہ ملاہی جیسے بانسری وغیرہ کی آواز سننا حرام ہے اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ استماع ملاہی یعنی موسیقی سننا گناہ ہے اور اس کے لیے اہتمام سے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لطف اندوز ہونا کفر ہے (زجراً وتوبیخاً) (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص: ۳۵۴)

صاحب ہدایہ کا فتویٰ

صاحب ہدایہ شیخ الاسلام علی بن ابی بکر نے لکھا ہے کہ مغنی گویّ کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی کیونکہ وہ لوگوں کو گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے لیے اکٹھا کرتا ہے

(ہدایہ کتاب الشہادات ج ۳ ص: ۱۶۲)

اوپر کی عبات کی شرح میں صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں کہ فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ لہوولعب کے لیے یا مال کمانے کے لیے گانا گانا حرام ہے۔

بحر الرائق میں ابن نجیمؒ کا فتویٰ

فتح القدیر کی اوپر والی عبارت کی مزید تشریح و تفصیل میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بزازی رحمہ اللہ نے ''مناقب'' میں ایسے گانے کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے جو آلات موسیقی، جیسے عود وغیرہ کے ساتھ گایا جائے غنا مجرد (خالی گانے) کے بارے میں اختلاف ہے شارحین نے اس بارے میں (امام ابوحنیفہ و صاحبین سے) کوئی تصریح نقل نہیں کی ہے البتہ ''بنایہ'' اور ''نہایہ'' میں ہے کہ لہو ولعب کے لیے گانا گانا تمام آسمانی شریعتوں میں حرام رہا ہے اس روایت کی عربی عبارت اس طرح ہے: الغناء حرام فی الادیان کلھا‘

(بحر الرائق ج ۷ ص: ۹۶)

خلاصۂ کلام

(۱) مذہب حنفی کی روایات اور مشائخ حنفیہ کے اقوال کا خلاصہ یہ نکلا کہ احناف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو آلات گانے کے بغیر بھی کیف و مستی پیدا کرتے ہوں وہ حرام ہیں اسی حرمت میں وہ ''دف'' بھی داخل ہے جس میں گھنگھرو لگے ہوں

(کذا فی البحر ورد المختار)

(۲) مندرجہ ذیل چند شرائط کے ساتھ اپنے لیے گانا گانا یعنی محض اشعار سننا جائز ہے پہلی شرط یہ ہے کہ گانا محض لہو ولعب کے لیے نہ ہو بلکہ اچھا مقصد پیش نظر ہو مثلاً تنہائی میں وحشت دور کرنا اونٹ کے لے حدی خوانی کرنا مسافت طے کرنا یا بچے کو سلانا مقصود ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ گانا پیشہ ور مغنیوں اور قواعد موسیقی کا خیال رکھتے ہوئے نہ گایا جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اشعار کے مضمون میں کوئی مکروہ یا حرام بات نہ ہو مثلاً کسی کی غیبت واستہزاء مقصود نہ ہو۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ گانے کی عادت نہ بنائی جائے بلکہ کبھی کبھار گایا جائے اور خیال رکھا جائے کہ اس کی وجہ سے کوئی واجب امر ترک نہ ہو یا کسی گناہ میں ابتلاء نہ ہوجائے (اسلام اور موسیقی ۲۷۶:)

موسیقی کے بارے میں شوافع کا فتویٰ

شوافع کے علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اجنبی عورت یا امرد سے گانا سننا خواہ موسیقی کے بغیر ہی کیوں نہ ہو قطعاً حرام ہے چنانچہ شیخ ابن حجر ہیثمی رحمہ اللہ جو شافعی مکتب فکر کے عالم ہیں حرمت غنا پر اپنی مشہور کتاب ''کف الرعاع عن مسئلۃ الغنا'' میں لکھتے ہیں: کسی آزاد عورت یا اجنبی باندی کا گانا سننا ان لوگوں کے بقول ہمارے ہاں بھی حرام ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے خواہ فتنہ کا اندیشہ ہو یا نہ ہو (بحوالہ اسلام اور موسیقی: ص:۲۷۸)

قاضی ابوطیب رحمہ اللہ نے جو فقہاء شافعیہ کے امام ہیں اپنے مشائخ سے نقل کیا ہے کہ اجنبی عورت سے گانا سننا ہر حالت میں حرام ہے خواہ عورت پردے کے پیچھے ہی کیوں نہ بیٹھی ہو قاضی ابوالحسین رحمہ اللہ نے بھی اجنبی عورت سے گانا سننے کی حرمت کی تصریح کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام اذرعی رحمہ اللہ تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اجنبی عورت یا امرد لڑکے سے گانا سننا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے (حوالہ بالا)

علمائے شافعیہ کا اتفاق ہے کہ جو غنا کسی واجب کے ترک کا سبب بنے یا جس کے ساتھ کوئی حرام یا مکروہ چیز مل جائے وہ حرام ہے (کف الرعاع واحیاء علوم الدین)

شوافع علماء کے نزدیک یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ جو آلات گانے کے بغیر بھی

کیف و مستی پیدا کریں اور جنہیں بالعموم پیشہ ور گویّ ہی استعمال کرتے ہوں ان کا استعمال حرام ہے (احیاء علوم الدین)

شوافع کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صاف ستھرے مضامین پر مشتمل اشعار کو خوش الحانی اور حسن صوت کے ساتھ پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ پیشہ ور گویّوں کی طرح بے جا تکلف سے کام نہ لیا جائے اور نہ ہی اتار چڑھاؤ آہنگ کے زیر و بم اور موسیقی کے فنی قواعد کا بقصد واختیار اہتمام کیا جائے یہی ان احادیث کا محمل ہے جن سے گانے کی اباحت معلوم ہوتی ہے اور جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے اشعار کا گانا سننا ثابت ہوتا ہے۔

(کف الرعاع بحوالہ اسلام اور موسیقی ۲۸۱)

خلاصہ یہ کہ شوافع کے ہاں مزامیر کے ساتھ موسیقی مطلقاً حرام ہے یاد رہے اردو میں صرف اشعار پڑھنے کو بھی گانا گانے سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ گانا بجانا ایک ایسا لفظ ہے جو خالی اشعار پڑھنے پر نہیں بولا جاتا ہے بلکہ باجے گاجے اور سارنگی طبلے کا پورا مفہوم اس میں پڑا ہے اس سے غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ صحابہ نے گانا سنا ہے وہ صرف اشعار کے گائے جانے کا اطلاق ہے جو وحشت دور کرنے کے لیے یا فن ادب میں مہارت پیدا کرنے کے لیے ہوتا ہے جو جائز ہے اسی طرح لفظ سماع بار بار استعمال کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اس

کے جواز میں اختلاف ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ سماع صوفیا کے ہاں الگ چیز ہے اس کا معروف گانوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے پھر بھی جمہور کے نزدیک ممنوع ہے بعض اس کے جواز کے قائل ہیں حضرت جنید بغدادی نے سماع کے بارے میں خوب فیصلہ سنایا ہے فرمایا کہ ''سماع کی کامل کو ضرورت نہیں ناقص کو اجازت نہیں''۔

موسیقی کے بارے میں مالکیہ کا فتویٰ

فقہ مالکیہ کی مشہور کتاب ''المدونة'' میں ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ دف اور باجے تاشے کو شادی بیاہ کے موقع پر بھی مکروہ سمجھتے تھے میں نے خود امام مالک سے اس بارے میں پوچھا تھا تو انہوں نے اس کی تضعیف کی تھی اور اسے ناپسند کیا تھا ''مدونہ'' کتاب ہی میں کتاب الشھادات کے تحت لکھا ہے ''نوحہ کرنے والی یا گانا گانے والی عورت کے بارے میں، میں نے امام مالک سے اس کے سوا کچھ نہیں سنا کہ اگر وہ ان کاموں میں مشہور ہوں تو ان کی شہادت گواہی قبول نہ کی جائے (بحوالہ اسلام اور موسیقی ۲۹۸:)

مالکی مذہب کے مشہور عالم علامہ شاطبی رحمہ اللہ کتاب الاعتصام میں لکھتے ہیں کہ جہاں تک اشعار کا معاملہ ہے تو اس میں تفصیل یہ ہے کہ آدمی کے لیے ایسے

اشعار پڑھنا جائز ہیں جو فحش گوئی اور دوسری معصیتوں سے خالی ہوں اسی طرح دوسرے شخص سے سننا اس حد تک جائز ہے جس حد تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار سنائے گئے ہیں یا صحابہ کرام، تابعین عظام اور دوسرے بزرگان دین کا اس بارے میں عمل رہا ہو کیونکہ (خیر القرون میں) اشعار ہمیشہ کچھ فوائد اور منافع کے لیے ہی پڑھے اور سنے جاتے تھے جن میں چند فائدے درج ذیل ہیں۔

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دین اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے کفار ومشرکین کو جواب دینا

(۲) اپنی ضروریات اور حاجات کو اشعار میں بیان کیا کرتے تھے اور انہیں پورا کرنے کے لیے اشعار کو ذریعہ بنایا کرتے تھے۔

(۳) سفر جہاد میں سفر کو مختصر کرنے کے لیے اور میدان جنگ میں دشمن کو مرغوب کرنے کے لیے پڑھتے تھے

(۴) اپنے آپ اشعار سے وعظ حاصل کرنے کے لیے اور دوسروں کو نصیحت کے لیے اور حکمتوں سے بھرے اشعار سے فائدہ لینے کے لیے پڑھا کرتے تھے پھر وہ لوگ آواز بنا بنا کر اور خوبصورت دُھنوں کا لحاظ رکھ کر نہیں گایا کرتے تھے بلکہ محض فطری سادگی کے ساتھ بناوٹ اور تصنع کے بغیر پڑھا کرتے تھے یہی وجہ

ہے کہ بعد میں آنے والوں کی روش کو علماء مکروہ کہتے تھے حتی کہ جب امام مالک سے اہل مدینہ میں رائج غنا کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ تو فساق کا شیوہ ہے (اسلام اور موسیقی ص: ۲۹۸ و ۳۹۲)

موسیقی کے بارے میں علماء حنابلہ کا فتویٰ

علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نہایت واضح انداز میں لکھتے ہیں کہ باقی رہا وہ گانا جو آج کل معروف و مشہور ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک ناجائز ہے اگر ان کو معلوم ہوتا کہ لوگوں نے اس معاملے میں کیا کیا جدّتیں پیدا کی ہیں تو خدا جانے وہ کیا حکم دیتے (تلبیس ابلیس :ص:۲۹۷)

علامہ ابن جوزی مزید لکھتے ہیں کہ گانے کے بارے میں فقہاء حنابلہ کا قول یہ ہے کہ مغنی اور رقاص کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی (بحوالہ اسلام اور موسیقی: ۳۱۵

مشہور حنبلی عالم علامہ علی بن سلمان مرادی مختلف فقہاء حنابلہ کے اقوال نقل کر کے لکھتے ہیں: مصنف رعایہ لکھتے ہیں کہ ایسا گانا اور نوحہ سننا جو آلات موسیقی کے ساتھ نہ ہو مکروہ ہے اور جو آلات موسیقی کے ساتھ ہو وہ حرام ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ گانے کا سننا آلات موسیقی کے بغیر خواہ مرد سے ہو یا عورت سے ہو مطلقاً حرام ہے اگر کوئی شخص گانے پر مداومت اختیار کرے یا اس کو اپنا پیشہ بنا لے یا

اپنے غلام یا باندی کو بطور مغنی استعمال کرے اور لوگ اکھٹے ہوتے ہوں تو ایسے شخص کی شہادت مردود ہے (الانصاف ج ۲: ص: ۵)

مجموعۃ الحفید ص: ۱۹۹ پر لکھا ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ تمام بلاد اسلامیہ کے علماء کا غنا ومزامیر کی کراہت اور ممانعت پر اجماع ہے لہذا اس کے جواز اور رخصت کا دعویٰ وہی شخص کرسکتا ہے جو قلت علم یا جہل مرکب اور خواہشات نفسانی کا شکار ہو

(اسلام اور موسیقی: ۳۱۷)

آلات موسیقی کے بارے میں حنابلہ کا موقف بہت سخت ہے خود امام احمد نے ایک لڑکے کے ہاتھ میں طنبورہ دیکھا تو چھین کر اسے توڑ دیا عمرو بن صالح رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے احمد بن حنبل کو دیکھا جب ان کے پاس ایک کھلا ہوا ستار لے جایا جارہا تھا تو آپ نے کھڑے ہو کر اسے توڑ دیا۔

ابوبکر مروزیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے طنبورہ توڑنے کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ ہاں اسے توڑ دیا جائے گا میں نے عرض کیا کہ وہ چھوٹا طنبورہ بھی جو چھوٹے بچوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے فرمایا ہاں وہ بھی توڑا جائے گا جب کبھی طنبورہ کھلا ہوا نظر آجائے تو اسے توڑ دو۔ (ص: ۳۲۳)

یحیٰ بن یزدان کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ ایک شخص عود ستار طنبورہ بانسری بجاتا ہے کیا اس کے خلاف تادیبی کاروائی کی

جائے گی اور اگر معاملہ سلطان تک پہنچ جائے تو کس حد تک تعزیر دی جا سکتی ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا ہاں اس کی تادیب کی جائے گی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ تعزیر دس کوڑوں سے زیادہ نہ ہو۔

(اسلام اور موسیقی: ص: ۳۲۴)

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ گانا گانے کے لیے کبھی کبھی لفظ مکروہ استعمال کیا جاتا ہے تو اب یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ لفظ مکروہ کی کیا حیثیت ہے متقدمین کے نزدیک اس کا کیا مفہوم تھا اور متاخرین کے نزدیک کیا مفہوم ہے علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے اس پر عمدہ کلام کیا ہے فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ کے کلام میں ''اکرھه'' اور ''لا یعجبنی'' کے الفاظ حرام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور یہ استعمال بہت زیادہ ہے فقہ حنبلی میں ایک چیز صریح حرام ہوتی ہے لیکن امام احمد اس کو مکروہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ اس نے غنا و مزامیر کو مکروہ لکھا ہے یا کسی اور امام نے مکروہ کے نام سے یاد کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس سے حرمت غنا مراد لی جاتی ہے (اسلام اور موسیقی: ۳۲۰)

آمدم بر سر مطلب

تصاویر اور موسیقی سے متعلق غامدی صاحب نے اپنے منشور ص: ۱۳۰ پر جو لکھا ہے کہ تصویر اور موسیقی اور دوسرے فنون لطیفہ کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی

جائے کہ ان میں سے کوئی بھی اصلاً ممنوع نہیں ہے اھ

جاوید غامدی کے اس ایک سطر کی گمراہ کن بات کے جواب میں میں نے بہت کچھ لکھ دیا دو سطروں میں بھی اس کا جواب دیا جاسکتا تھا لیکن میں نے ان دو موضوعات سے متعلق شریعت اور اسلام کا نقطہ نظر مسلمانوں کے سامنے کھول کر رکھا ہے مجھے اس لکھنے میں جو شدید محنت اٹھانی پڑی ہے میں اپنے رب سے اس کے ثواب کی یقینی امید رکھتا ہوں اور مجھے جو تکلیف پہنچی ہے اور وقت صرف ہوا ہے میں اس ایذا رسانی کا ذمہ دار جاوید غامدی کو قرار دیتا ہوں اگر وہ دین اسلام کی سیدھی سیدھی بات لکھ دیتے تو دین کی خدمت ہو جاتی مجھ جیسے ضعیف العمر کو تکلیف نہ پہنچتی اور مخلوق خدا کو فائدہ پہنچ جاتا لیکن اس نے ٹیڑھی بات لکھ دی جس سے مخلوق خدا کو نقصان پہنچا میں تو کہتا ہوں کہ اے اللہ! جاوید احمد غامدی کو راہ راست پر لا کر استقامت عطا فرما اور اگر تیرے علم میں ان کی ہدایت نہیں ہے تو ان کو جلد از جلد تباہ و برباد فرما تا کہ مخلوق خدا اور دین اسلام اس کے فتنوں سے محفوظ ہو جائے۔

نیز میں اپنے بلا واسطہ یا بالواسطہ تمام شاگردوں سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ جاوید احمد غامدی کے فتنے سے اپنے آپ کو بچائیں اور مخلوق خدا کو بھی اس گمراہی سے بچائیں اور علمی میدان میں اتر کر اس فتنے کا ہر جگہ علمی مقابلہ کریں اور اگر

میرا کوئی شاگرد بلاواسطہ یا بالواسطہ اس فتنے کا شکار ہو چکا ہے تو وہ فوراً توبہ کریں اگر وہ توبہ نہیں کرتا ہے تو میں ان کو اپنے استادی کا حق نہیں بخشوں گا۔ بلکہ اس کو عاق کرتا ہوں وہ مرتے دم تک مجھ سے عاق رہے گا اور اجازت حدیث سے محروم رہے گا۔

(۴) تعلیم و تعلم میں

یہ غامدی صاحب کے منشور کا چوتھا بڑا عنوان ہے جس کے تحت پندرہ دفعات مذکور ہیں۔

پہلا دفعہ یہ ہے: پورے ملک میں تعلیم کا ایک ہی نظام رائج کیا جائے تعلیمی نظام میں مذہبی وغیر مذہبی اور اردو یا انگریزی ذریعہ تعلیم کی ہر تفریق بالکل ختم کردی جائے (منشور: ص: ۱۴)

تبصرہ: ایسا لگتا ہے کہ غامدی صاحب کو ملک پاکستان میں دینی مدارس کی مذھبی تعلیم آنکھوں میں کھٹک رہی ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ انگریزی تعلیم کو نہ کوئی ہٹا سکتا ہے نہ کوئی اس کا سوچ سکتا ہے اسی طرح انگریزی ذریعہ تعلیم کو بھی کوئی نہیں چھیڑ سکتا ہے لہذا ان کے خیال میں مذھبی تعلیم اور اردو ذریعہ تعلیم دونوں بیکار ہیں اور یہی دونوں ان کے تیروں کا شکار ہیں ورنہ اس دفعہ کا کوئی مفہوم نہیں

بن سکتا ہے کیونکہ جب اردو ذریعہ تعلیم بھی نہ ہو انگریزی ذریعہ تعلیم بھی نہ ہو مذھبی تعلیم بھی نہ ہو انگریزی تعلیم بھی نہ ہو تو پھر اس ملک میں کیا رہ گیا؟

نہ معلوم غامدی صاحب اس دفعہ سے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے؟

دینی مدارس میں اصلاحات اور غامدی

اوپر بڑے عنوان ''تعلیم و تعلم'' کے تحت منشور کے دفعہ ۹ میں غامدی صاحب نے دینی مدارس کے بارے میں اصلاحات کی بات کی ہے وہ لکھتے ہیں'' اس وقت جو دینی مدارس ہمارے ملک میں موجود ہیں انہیں اصلاحات پر آمادہ کرنے کے ساتھ حکومت اپنے اہتمام میں اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے جامعات قائم کرے

(منشور دفعہ:۹ ص:۱۶)

تبصرہ: ایک طویل عرصہ سے حکومت پاکستان کے بڑے عہدے داروں وزارت تعلیم کے نمائندوں اور بڑے افسروں کی طرف سے آئے روز دینی مدارس کی اصلاحات کے لیے بیانات جاری ہوتے رہتے ہیں اب پتہ چلا کہ اس فساد کی جڑ میں غامدی صاحب بیٹھے ہوئے ہیں ان کو دینی مدارس کی اصلاحات کی اتنی فکر لگی ہے کہ اس کو اپنے منشور کا دفعہ بنا کر پیش کر دیا حکومت نے ہمیشہ دینی مدارس کو شک کی نگاہ سے دیکھا ہے اور وقتاً فوقتاً ان پر ہاتھ بھی ڈالا ہے کئی ایک

مدرسوں کو بند بھی کیا ہے اور کئی مدارس پر چھاپے مار کر اس کے اساتذہ اور طلبہ کو گرفتار کر کے پریشان بھی کیا ہے اور تا حال یہ سلسلہ جاری ہے سوات و بونیر اور وزیرستان اور دیر و باجوڑ پر فوجی چڑھائی کر کے ہزاروں مدارس کو نیست و نابود کر دیا ہے پچھلے دس سال تک جب فوجی آمر پرویز مشرف کی حکومت تھی تو اس نے غیر ملکی بے بس مظلوم طلبہ کو زبردستی ملک سے بھگا دیا اور آیندہ دین پڑھنے کے لیے باہر دنیا سے آنے والوں پر پابندی لگا دی حالانکہ وہ طلبہ قانون پاکستان کے مطابق ویزہ لیکر آتے تھے افسوس سے لکھنا پڑتا ہے کہ دنیا کا کوئی بھی کافر ہندو یہودی عیسائی پارسی بدھش بڑے اطمینان سے ہمارے ملک میں آکر کالجوں یونیورسٹیوں اور جامعات میں پڑھتے ہیں اور یہاں پڑے رہتے ہیں نہ معلوم وہ ملک کے خلاف کس طرح سازشوں اور جاسوسیوں میں ملوث ہوتے ہوں گے اور ملک کے وقار و عظمت کو فحاشی کے ذریعہ سے کتنا نقصان پہنچاتے ہوں گے۔

یہ سب کچھ اس لیے برداشت ہے کہ وہ بے دینی پڑھ کر واپس جاتے ہیں اور جو دین پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور ملک کی نیک نامی کا ذریعہ بنتے ہیں وہ ایک لمحہ کے لیے برداشت نہیں ہے حالانکہ دنیا کا بین الاقوامی قانون ہے کہ تعلیم ہر انسان کا حق ہے اور اس میں وہ آزاد ہے اگر ایسا ہے تو پاکستان میں دینی تعلیم حاصل

کرنے کے لیے آنے والوں پر پابندی کیوں ہے حالانکہ یہ ملک دین اسلام و اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے؟ غامدی صاحب نے اس دفعہ 9 کی عبارت میں لکھا ہے کہ حکومت خود مہتمم بن جائے اور اپنے اہتمام کے تحت ماڈل مدرسے بنائے اور اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے جامعات قائم کرے۔

تبصرہ: غامدی صاحب کی خواہش پر ان کے مرشد عام پرویز مشرف صاحب کے دور حکومت میں اس طرح ماڈل مدرسے بنائے بھی گئے لیکن کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا والی بات صادق آگئی اور ان کا کوئی قابل ذکر مدرسہ باقی نہ رہا کیونکہ ''ما کان للہ یبقی و ما کان لغیرہ یفنی'' یعنی جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوتا ہے وہ باقی رہتا ہے اور جو غیر اللہ کے لیے ہوتا ہے وہ فانی ہو جاتا ہے چنانچہ ان ماڈل مدرسوں کے بنانے والے بھی نہ رہے اور مدرسے بھی نہ رہے پرویز مشرف صاحب کو ملک سے بھاگنے کا موقع نہیں ملتا اور غامدی صاحب بھاگ کر ملائیشیا جا کر بیٹھ گیا جن لوگوں نے دین اسلام کے طلبہ کو ویزہ رکھتے ہوئے زبردستی یہاں سے نکالدیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنے ملک سے بھگا دیا میں پوچھتا ہوں غامدی صاحب دینی مدارس میں کیا اصلاحات چاہتے ہیں؟ جس مقصد کے لیے دینی مدارس میں طلبہ آتے ہیں وہ مقصد پورا ہو جاتا ہے علماء تیار ہوتے ہیں امام خطیب تیار ہوتے ہیں مصنفین تیار ہوتے ہیں داعی تیار ہوتے

ہیں خدا ترس اور متقی پرہیز گار علماء تیار ہوتے ہیں مفتیان کرام اور قرآن کے حفاظ تیار ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مضبوط اور فعال کارکن تیار ہوتے ہیں اور لطف یہ کہ سب کچھ مفت میں تیار ہوتے ہیں حکومت کا ایک پسینہ بھی ان پر خرچ نہیں ہوتا بلکہ اس ملک کے ایک بڑی آبادی کا بوجھ جو حکومت کے سر ہوتا ہے وہ یہ مدارس اٹھاتے ہیں۔

میں پوچھتا ہوں غامدی صاحب کیا اصلاحات چاہتا ہے کیا ان کا مقصد یہ ہے کہ طلبہ ڈاڑھیاں کٹوائیں پتلون پہن کر ٹائی لگا کر ڈانس شروع کر دیں اور زمانے کے سب سے زیادہ کرپٹ بن کر ملک کے لیے ناسور بن جائیں یاد رکھو اللہ تعالیٰ کی مدد کا ہاتھ ان دینی مدارس پر ہے ان میں بے شمار کمزوریاں سہی پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کی مدد کر رہا ہے غامدی صاحب آ کر جمشید روڈ گرومندر میں جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کی عالیشان عمارت اور صفائی اور نظم وضبط کو دیکھے اور پھر قریب میں اسلامیہ کالج کو جا کر دیکھے تو ان کے اصلاحات کا نقشہ بدل جائے گا اسلامیہ کالج کی عمارت میں باہر سے جو کھڑکیاں ہیں وہ شاید دو ہزار تک ہوں گی اگر اس میں ایک کھڑکی بھی سالم ہو اور اس کے پلّے لگے ہوئے ہوں تو آ کر ہماری اصلاح کی بات کرے الحمد للہ دینی مدارس میں دنیا بھی آ گئی اور دین بھی ہاتھ آیا اور غامدی صاحب کے مقبول جامعات میں نہ دین ہاتھ آیا اور نہ دنیا ہاتھ آئی

خلاصہ کے طور پر یہ بات کہدوں کہ دینی مدارس میں انبیاء کی میراث پڑھائی جاتی ہے اور انبیاء کے وارث بیٹھے ہیں اور دنیوی سکول وکالج میں فرعون وہامان کی میراث سکھائی جاتی ہے اور فرعون کے وارث بن رہے ہیں تو غامدی صاحب بتائیں کہ اصلاحات کہاں ہونی چاہیے؟

دوسری بات یہ کہ دنیوی سکول وکالج میں آج تک کوئی حافظ وعالم نہیں بن سکا حالانکہ اس تعلیم پر اربوں روپے سرکاری خزانہ سے خرچ ہورہے ہیں تو غامدی صاحب سوچ لیں کہ اصلاحات کی ضرورت کہاں پر ہے۔

غامدی صاحب اور مدارس کا داخلہ

غامدی صاحب اپنے منشور کے بڑے عنوان ''تعلیم وتعلم'' کے تحت دفعہ ۱۲ میں لکھتے ہیں ہندسہ اور طب کی جدید درسگاہوں کی طرح ان جامعات میں بھی صرف وہی طلبہ داخل کیے جائیں جو کم سے کم ایف اے یا ایف ایس سی تک اپنی تعلیم عام درسگاہوں میں مکمل کر چکے ہوں (منشور ص:۱۶)

تبصرہ: غامدی صاحب نے دینی مدارس کے داخلے کے لیے عجیب تجویز دی ہے اگر اس کے آسرہ پر مدرسوں والے بیٹھ جائیں تو شاید سال میں ایک آدھ داخلہ مشکل سے ہوگا بھلا جو شخص ایف اے پاس کرلے وہ ملازمت کے چکر میں

پھرے گا یا نورانی قاعدہ وناظرہ اوراعدادیہ میں فارسی قاعدہ، میزان الصرف اور نحومیر میں یہ بوڑھا آکر بیٹھے گا غامدی صاحب کی یہ عجیب تجویز ہے مگر حقیقت میں غامدی صاحب تعلیم کی ترقی کا ارادہ نہیں رکھتا ہے بلکہ ان مدارس کو ایک چال کے ذریعہ سے بند کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے اس چال کے جال میں علماء کیا ایک مجنون شخص بھی نہیں پھنس سکتا ہے لہذا منشور میں اس دفعہ کے لکھنے سے نہ لکھنا زیادہ بہتر تھا۔

غامدی صاحب دینی مدارس کونصاب دے رہا ہے

غامدی صاحب اپنے منشور کے بڑے عنوان ''تعلیم وتعلم'' کے تحت دفعہ ۱۳ میں لکھتے ہیں مدت تدریس پانچ سال ہونی چاہیے اور اس کا نصاب اس طرح ترتیب دیا جائے کہ اس میں محور ومرکز کا مقام قرآن مجید کو حاصل ہو، تدریس کی ابتداء اسی سے کی جائے اور اس کی انتہاء بھی وہی قرار پائے علم وفن کی ہر وادی میں طلبہ اسے ہاتھ میں لیکر نکلیں اور ہر منزل اسی کی رہنمائی میں طے کی جائے نحو وادب، فلسفہ وکلام اور فقہ وحدیث کے لیے اسے معیار مانا جائے اور ہر چیز کے ردوقبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہو ایمان وعقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہو اور اسی پر ختم کی جائے، طلبہ کو بتایا جائے کہ بُوحنیفہ وشافعی بخاری ومسلم اشعری وماتریدی اور جنید وشبلی سب پر اسی کی حکومت قائم ہے اور

اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جاسکتی ہے (منشور:۱۶)

تبصرہ: منشور کے اس دفعہ کی عبارت کافی لمبی ہے اور کئی جملے قابل گرفت ہیں سب سے پہلا جملہ کہ مدت تدریس پانچ سال ہونی چاہیے قابل گرفت ہے غامدی صاحب سے پوچھا جائے کہ یہ تدریس کیا چیز ہے اگر اس سے کسی مدرسہ کے مدرس کی تدریس مراد ہے تو کیا کسی مدرس کے لیے یہ ضروری ہے کہ پانچ سال تک تدریس کرے اور پھر ریٹائرڈ ہو جائے یہ تجویز تو کسی عقل مند انسان کی نہیں ہو سکتی ہے اور نہ دنیا میں کسی قانون میں تدریس کے لیے مدت پانچ سال کسی نے مقرر کی ہے اگر غامدی صاحب نے تدریس کا یہی مطلب لیا ہے تو اس کی عقل وعلم، دانشوری اور پروفیسری پر ماتم کی ضرورت ہے اور اگر غامدی صاحب نے مدت تدریس سے طالب علم کے پڑھنے کا زمانہ مراد لیا ہے تو ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس کو مدت تعلیم کہتے ہیں مدت تدریس نہیں کہتے ہیں جو شخص تعلیم اور تدریس میں فرق نہیں کر سکتا ہے وہ پرلے درجے کا غافل ہے اس کو قطعاً یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اکابر علماء اور مدرسین کو مشورے دیتا رہے اور ان کے لیے نصاب تعلیم مقرر کرتا پھرے۔

غامدی صاحب! خوب سن لو! یہ قلمکاری اور مقالہ نگاری نہیں ہے کہ آپ اس میں

چرب لسانی کا خوب جوہر دکھائے یہ علمی میدان ہے یہاں سوچ سوچ کر علم کی روشنی میں بات کرنی پڑتی ہے۔

غامدی صاحب نے یہ غلطی اپنی منشور میں بار بار کی ہے اس سے پہلے منشور کے دفعہ دس میں لکھتے ہیں کہ ان جامعات میں تدریس کی ذمہ داری صرف ان اہل علم کو سونپی جائے الخ وہاں تدریس سے مدرس کی تدریس مراد لی ہے غامدی صاحب کو معلوم نہ ہوسکا کہ عرف اور علما کی اصطلاحات نے تعلیم کو تعلم اور تدریس کو مدرس اور معلم کے ساتھ خاص کیا ہے یہ علمی میدان ہے اس میں کئی باریکیاں ہیں صرف سر منڈانے سے آدمی قلندر نہیں بنتا کسی نے خوب کہا ہے

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

یعنی یہاں ہزاروں نکتے ہیں جو بال سے زیادہ باریک ہیں ہر سر منڈھانے والا قلندر نہیں بنتا ہم غامدی سے پوچھتے ہیں کہ پانچ سال میں طالب علم کیا علم حاصل کرے گا؟ اور کیا عالم بنے گا؟ پھر آپ مشورہ دینے والے کون ہوتے ہو؟ کہ علماء کو مشورے دیتے ہو؟ کوئی اچھا مشورہ ہوتا تو ایک بات ہوتی۔

آگے عبارت میں دوسرا جملہ یہ ہے کہ ”ہر چیز کے رد و قبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہو“۔

اس جملہ میں مکمل طور پر حصر ہے کہ کسی حکم کا قبول کرنا یا رد کرنا قرآن ہی سے ہو، اسی طرح جملے منکرین حدیث نے انکار حدیث کے لیے پرانے زمانے سے استعمال کیے ہیں قدیم وجدید منکرین حدیث کا یہ جملہ ہے 'حسبنا کتاب اللہ' یعنی ہمیں صرف قرآن کا حکم کافی ہے کسی فقہ وحدیث کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے آنحضرت نے اس قسم جملوں کے جواب میں خود فرمایا تھا جو مشکوۃ شریف کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ کی فصل ثانی کی تین احادیث میں مذکور ہے ملاحظہ ہو:

منکرین حدیث کی تردید

عن ابی رافع قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا ألفين أحدكم متكئاً على أريكته يأتيه الأمر من أمري بما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا ادری۔ ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ

رواہ احمد والترمذی وابو داود وابن ماجه والبیهقی فی دلائل النبوة

اور حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تم میں سے کسی کو اس حال میں نہ پاؤں کہ وہ اپنے چھپر کھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے ہو اور میرے ان احکام میں سے جن کا میں نے حکم دیا ہے یا جس سے منع کیا کوئی حکم اس کے پاس پہنچے

اور وہ (اسے سن کر) یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ ہمیں خدا کی کتاب میں ملا ہم نے اس کی تائید کی (احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

''لاالفین احد کم ''یعنی تم ایسی حالت میں مبتلا نہ ہو جاؤ کہ میں تم کو اس حالت میں پالوں۔ ''متکاءعلی اریکته'' تخت شاہی کو ''اریکہ'' کہتے ہیں جس کی جمع ارائک ہے۔ اس کو چھپر کھٹ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس شخص کی نہایت غرور وتکبر کی کیفیت کا بیان ہے نیز اس میں عیش وترفہ اور ناز ونعم کی طرف بھی اشارہ ہے۔

امر: یہاں مطلق دین اسلام مراد ہے امر ہو یا نہی ہو یا کوئی اور حکم ہو

اس حدیث میں منکرین حدیث پر بلیغ رد وتردید ہے۔ جو اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور جہالت کی وجہ سے احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ نہایت غرور وتکبر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارے لیے بس صرف قرآن ہی کافی ہے۔ اس کا مشاہدہ علماء حق نے اس وقت کیا تھا جب وہ وفد کی شکل میں عبداللہ چکڑالوی منکر حدیث کے پاس گئے تھے وہ چھپر کھٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور غرور کے ساتھ علماء سے کہہ رہا تھا ''حسبنا کتاب اللہ'' کہ بس ہمارے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے۔

قرآن کی طرح احادیث بھی واجب العمل ہیں

(۱) وعن المقدام بن معدیکرب قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه

وسلم الا انی أوتیت القرآن ومثله معه ألا یوشک رجلُ شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه وان ما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کما حرم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاهلی ولا کل ذی ناب من السباع ولا لقطة معاهد الا ان یستغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعلیهم ان یقروه وان لم یقروه فله ان یعقبهم بمثل قراه (رواہ ابو داؤد وروی الدارمی نحوه وکذا ابن ماجه الی قوله کما حرم اللہ)

اور حضرت مقدام بن معدیکربؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”آگاہ رہو! مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس کا مثل، خبردار! عن قریب اپنے چھپر کھٹ پر پڑا ایک شخص کہے گا کہ اس قرآن کو اپنے اوپر لازم جانو (یعنی فقط قرآن ہی سمجھو اور اس پر عمل کرو) اور جو چیز تم قرآن میں حلال پاؤ اس کو حلال جانو اور جس چیز کو تم قرآن میں حرام پاؤ اس کو حرام جانو۔ حالانکہ جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے وہ اس کے مانند ہے جسے خدا نے حرام کیا۔ خبردار! تمہارے لیے نہ اہلی (گھریلو) گدھا حلال کیا ہے اور نہ کچلی رکھنے والے درندے، اور نہ تمہارے لیے معاہد (یعنی وہ قوم جس سے معاہدہ کیا گیا ہو) کا لقطہ حلال کیا ہے مگر وہ لقطہ حلال ہے جس کی پرواہ اس کے مالک کو نہ ہو اور جو شخص کسی قوم کا مہمان ہو اس

قوم پر لازم ہے کہ اس کی مہمانی کریں۔ اگر وہ مہمانی نہ کریں تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ مہمانی کے مانندان سے حاصل کرے۔ (ابوداؤد، دارمی، ابن ماجہ)۔

''اوتیت القران ومثلہ'' یعنی قرآن کی طرح احکام کے اثبات کے لیے مجھے احادیث بھی دی گئی ہیں۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے اور احادیث وحی غیر متلو ہے۔ واجب العمل دونوں ہیں حلت وحرمت دونوں سے ثابت ہوتی ہے۔[[رجل شبعان]] اس لفظ سے اس شخص کی بلادت وحماقت وجہالت اور عیش وعشرت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ بھرے پیٹ والا بلید اور بے وقوف ہوتا ہے۔ لہذا وہ اس بلاوت وجہالت کی وجہ سے احادیث کا انکار کرے گا۔

''وان ما حرم: ای والحال ما حرم رسول اللہ کما حرم اللہ'' یعنی رسول اللہ کے فرمان سے اسی طرح چیزیں حرام ہوئی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ لہذا حضور کی ذات حقیقت میں اسی طرح شارع ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ شارع ہیں {وما ینطق عن الھوی: ان ھو الا وحی یوحی} واضح آیت ہے۔

''الا لا یحل'' یہاں سے ان اشیاء کا بیان شروع کیا گیا ہے جن کی حرمت سنت رسول اللہ میں مذکور ہے اور قرآن کریم میں نہیں ہے۔ یہ کل چار چیزیں ہیں

(۱) پالتو گدھا نہ کہ وحشی گدھا کیونکہ وہ صحرائی ہے اور حلال ہے۔ جس کو زیبرا کہتے ہیں اب پالتو گدھے کی حرمت کا حکم حدیث میں ہے اور قرآن کریم میں نہیں ہے۔

(۲) ذی ناب یعنی ڈھاڑوں اور کچلی سے شکار کرنے والے جانوروں کی حرمت کا ذکر قرآن میں نہیں ہے احادیث میں ہے۔

(۳) معاہد کا لقطہ استعمال کرنا، معاہد یا ذمی ہوتا ہے اور یا حلیف کافر ہوتا ہے۔ دونوں کے لقطہ کا حکم ایک ہے جو قرآن میں نہیں ہے حدیث میں ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ غیر ذمی مسلمان کا لقطہ استعمال کرنا بطریق اولیٰ حرام ہے ہاں معمولی چیز جو کوئی خود ہی پھینک دے یا گرنے کے بعد اس کے اٹھانے کی ضرورت محسوس نہ کرے وہ مستثنیٰ ہے۔

(۴) ومن نزل: یہ چوتھی چیز ہے کہ کوئی مسلمان کسی قوم پر اتر آیا تو اس قوم پر ان کی ضیافت واجب ہے ورنہ ضیف اپنی ضیافت کی مانند ان لوگوں سے اس کا عوض لے لے۔ اس سے ذمی لوگ مراد ہیں جن پر بطور جزیہ مجاہدین کو کھانا کھلانا مقرر کیا گیا ہو اس کا ذکر قرآن میں نہیں ہے حدیث میں ہے

(۲) وعن العرباض بن سارية قَالَ: قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَیَحْسَبُ اَحَدُکُمْ مُتَّکِئًا عَلٰی اَرِیْکَتِہٖ یَظُنُّ اَنَّ اللّٰہَ لَمْ یُحَرِّمْ شَیْئًا اِلَّا مَا

فِی الْقُرْاٰنِ اَلاَ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَھِیْتُ عَنْ اَشْیَائَ اِنَّھَا لَمِثْلُ الْقُرْآن اَوْ اَکْثَرَ وَاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یحل لکُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْت اَھْلِ الْکِتَابِ اِلَّا بِاِذْنٍ ولا ضرب نسائھم وَلَا اکل ثمَارِھِمْ اذَا اَعْطُوْکُمُ الَّذِیْ عَلَیْھِمْ (رواہ ابو داؤد)

حضرت عرباض بن ساریہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لیے) کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص اپنے چھپر کھٹ پر تکیہ لگائے ہوئے یہ خیال کرتا ہے کہ خدا نے وہی چیزیں حرام کی ہیں جو قرآن میں ذکر کی گئی ہیں۔ خبردار! خدا کی قسم بلاشک میں نے حکم دیا، میں نے نصیحت کی اور میں نے منع کیا چند چیزوں سے جو مثل قرآن کے ہیں۔ بلکہ زیادہ ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے یہ تمہارے لیے حلال کیا کہ تم اہل کتاب کے گھروں میں اجازت حاصل کیے بغیر چلے جاؤ۔ اور نہ تمہارے لیے ان کی عورتوں کا مارنا حلال ہے۔ اور نہ تمہارے لیے ان کے پھلوں کا کھانا جائز ہے۔ جب کہ وہ اپنا وہ مطالبہ ادا کر دیں جو ان کے ذمہ تھا۔ (ابوداؤد)

''او اکثر'' یہ او بمعنی بل ہے۔ یہ شک کے لیے نہیں بلکہ پہلی وحی سے متصل دوسری وحی آئی تو بل اکثر فرمایا۔ علماء اصول نے لکھا ہے کہ احکام پر مشتمل قرآنی آیات پانچ سو ہیں اور اسی طرح احادیث بھی پانچ سو ہیں۔

''ولا ضرب نسائھم'' اس سے مراد مفتوح قوم کی عورتوں کے مارنے کی

ممانعت ہے۔ نیز ان کے گھروں کی بے حرمتی کی ممانعت ہے۔ جیسا کہ عام فاتحین کی عادت ہوتی ہے۔

دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے احکام بہت سارے ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں لیکن احادیث سے ثابت ہیں۔ جس کی تفصیل حجیت حدیث کے ضمن میں گزر چکی ہے۔ جو میں نے توضیحات میں لکھ دی ہے۔

غامدی منشور کے اسی دفعہ میں غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ

طلبہ کو بتایا جائے کہ بوحنفیہ و شافعی بخاری و مسلم اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی سب پر اسی کی حکومت قائم ہے (منشور ص:۱۶)

تبصرہ: سب سے پہلے تو میں قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ غامدی صاحب کے اس گستاخانہ اور متکبرانہ انداز کو دیکھ لیجئے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو کس حقارت کے ساتھ بُوحنیفہ سے یاد کیا امام شافعی رحمہ اللہ کو کس انداز سے ذکر کیا پھر قلمکاری اور مضمون نگاری کو چست رکھنے کے لیے امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا نام نہیں لیا تاکہ مضمون میں بے جا طوالت نہ آجائے تو فقہائے کرام سے صرف دو کا نام لیا محدثین سے بھی صرف دو کا نام لیا متکلمین سے بھی صرف دو کا نام لیا اور صوفیائے کرام سے بھی صرف دو کا نام لیا اور اس انداز سے ذکر کیا جس طرح کوئی شخص اپنے نابالغ بچوں کا تذکرہ کرتا ہے آخر میں

حکم لگا دیا کہ سب پر قرآن کی حاکمیت اور حکومت ہونی چاہیے۔

میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ آپ کو کب پتہ چلا ہے کہ یہ فقہاء اور محدثین اور متکلمین اور صوفیائے کرام قرآن عظیم کی حکومت نہیں مانتے ہیں اور انہوں نے اس طرح درس دیا ہے کہ ان کے پیروکار سمجھنے لگے ہیں کہ ان پر قرآن حاکم نہیں ہے بلکہ یہ لوگ اپنے نوایجاد دین بنا چکے ہیں اور اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں اور قرآن عظیم کو چھوڑ چکے ہیں۔ منکرین حدیث اور غیر مقلدین کی گفتگو کا یہی طریقہ ہے جس طریقہ سے غامدی صاحب نے قلم کی ایک جنبش سے سب کا صفایا کر دیا اور بڑی معصومیت کے ساتھ قرآن کی آڑ لیکر فقہ وحدیث اور تصوف کا انکار کر دیا میں پھر کہتا ہوں کہ غامدی صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا کہ مقلدین حضرات قرآن کی حاکمیت کو نہیں مانتے ہیں یا محدثین و متکلمین اور صوفیا اس مرض میں مبتلا ہیں میں نے جو غامدی صاحب کے منشور کو دیکھا اور ان کے دیگر تصنیفات میزان، تبیان اور البرھان وغیرہ کو دیکھا تو مجھے تو بالکل واضح نظر آیا کہ قرآن عظیم کے کئی احکامات کے غامدی صاحب منکر ہیں اور کھل کر لکھ کر انکار کرتے ہیں میں آیندہ سب کچھ واضح کرنا چاہتا ہوں ابھی تو غامدی کے منشور پر گفتگو ہو رہی ہے غامدی صاحب سمجھتے ہوں گے کہ میں ہاتھ کی صفائی سے سب کچھ غلط سلط لکھدوں گا اور کسی کو پتہ نہیں چلے گا ان شاء اللہ ایسا نہیں ہوگا غامدی

صاحب جس صورت میں آئیں گے ہم ان کو پہچان لیں گے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

من انداز قدت رامی شناسم

آپ جس رنگ کا لباس پہن کر سامنے آنا چاہو آؤ میں تیرے قد و قامت کے انداز کو خوب جانتا ہوں منشور کے اس دفعہ کے آخر میں غامدی صاحب لکھتے ہیں اور اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی ہے

(منشور:۱۶)

تبصرہ: غامدی کا خیال ہے کہ ان فقہاء و محدثین و متکلمین و صوفیائے کرام کے کلام میں ایسی چیزیں ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں لہذا طلبہ کو بتا دینا چاہیے کہ قرآن کے خلاف کسی کی کوئی چیز قبول نہیں کی جا سکتی ہے۔ میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ ان حضرات کی کونسی چیزیں آپ کو مل گئیں ہیں جو قرآن کے خلاف ہیں وہ ہمیں بھی بتا دو تا کہ ہم بھی ان سے بچنے کی کوشش کریں اگر ایسا نہیں ہے تو صرف بے مقصد طعن اور طنز کیوں کرتے ہو اور لوگوں کو ان کے اسلاف سے بدظن کیوں کرتے ہو آپ خود ان اکابرین کے بارے میں سوءظن میں مبتلا ہو کر راہ راست سے بھٹک چکے ہو اور شتر بے مہار بن کر ہدایت کے شاہراہ اعظم کے بجائے گمراہی کی پگڈنڈیوں میں پریشان حال گھوم رہے ہو تو اور لوگوں کو

کیوں تشکیک میں مبتلا کرتے ہو،

تعلیم و تعلم'' کے بڑے عنوان کے تحت دفعہ ۱۵ کے ضمن میں غامدی صاحب لکھتے ہیں اسلامیات کی اعلیٰ تعلیم کا موجودہ طریقہ بالکل ختم کردیا جائے اور ان جامعات سے فراغت کی سند کے لیے وہی درجہ مانا جائے جو مثال کے طور پر طب جدید میں ایم بی بی ایس کی سند کو حاصل ہے۔(منشور ص:۱۷)

تبصرہ: دینی مدارس اور جامعات میں آٹھ سال تک درس نظامی کا سلسلہ چلتا ہے اس کے بعد اعلیٰ درجات کے اعلیٰ تعلیم میں دورہ حدیث ہوتا ہے اور پھر یہ طالب علم فارغ التحصیل اور فارغ درس نظامی ہوکر عالم دین بن جاتا ہے فراغت اور تقسیم اسناد کے اس موقع پر مدارس میں ایک رُوح پرور منظر ہوتا ہے اکثر طلبہ کے رشتہ دار اور عام شہری جمع ہوجاتے ہیں وہ ان طلبہ کی دستار بندی کو جب دیکھتے ہیں اور ان کو پھولوں کے ہار پہناتے ہوئے مخلص مسلمانوں کو بھی دیکھتے ہیں تو طلبہ کی حوصلہ افزائی کے ساتھ ساتھ دیکھنے والے مسلمانوں کا جذبہ موجزن ہوجاتا ہے اور وہ اپنے بچوں کو دینی مدارس میں دینی تعلیم دلانے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔غامدی صاحب کو اسلامی مدارس کی یہ شان وشوکت برداشت نہیں ان کو یہ اعلان گوش گزار کرنا بھی برداشت نہیں کہ اس سال جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک سے ڈیڑھ ہزار طلبہ فارغ ہوگئے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے چھ سو

طلبہ اور دارالعلوم کراچی کورنگی سے پانچ سو یا کم وبیش طلبہ عالم بن گئے چونکہ یہ پر رونق سلسلہ اہل حدیث غیر مقلدین کے ہاں نہیں ہے تو ان کے ہاں فارغ وغیر فارغ کا ظاہری طور پر کوئی فرق بھی نہیں اور نہ وہاں یہ شان وشوکت ہوتی ہے غامدی صاحب جہاں کئی دیگر روحانی بیماریوں میں مبتلا ہیں وہیں پر یہ غیر مقلد بھی ہیں اس لیے اپنے منشور میں جو کچھ لکھا یہ ان کے دل کی آواز ہے لیکن میں ان سے پوچھتا ہوں کہ جب اعلیٰ تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا جائے تو پھر کس اصول اور کس قانون کے مطابق ان طلبہ کو اعلیٰ ڈگری ایم بی بی ایس کی مساوی سند عطا کی جائے گی، کیا یہ خیانت نہیں ہے کہ پڑھا نہیں ہے اور جعلی سندِ فراغت ان کو عطا کی گئی اور ان کے نام کے ساتھ سند یافتہ عالم مساوی MBBS لکھ دیا گیا؟

افسوس اس بات پر ہے کہ عصری تعلیم کے مروجہ جامعات اور کالجوں سکولوں میں جو بے قاعدگیاں ہو رہی ہیں مخلوط تعلیم سے جو فحاشی پھیلائی جا رہی ہے اور ان جامعات کے اندر دوران تعلیم جو اخلاق سوز واقعات رونما ہو رہے ہیں اس کی اصلاحات کے لیے غامدی صاحب نے اپنے منشور میں کچھ نہیں لکھا اگر لکھا تو دینی مدارس کا پیچھا کر کے لکھا ایسا لگتا ہے کہ غامدی صاحب کے قلم کو اللہ تعالیٰ کسی نیک راستے میں استعمال ہونے نہیں دیتا ہے حالانکہ غامدی نے اپنے منشور کی پیشانی پر لکھا ہے ''اعلان جنگ دور حاضر کے خلاف'' تو کیا دور حاضر یہی دینی

مدارس اور اسلامی احکامات ہیں؟

من از بیگانہ گاں ہر گز نہ نالم
کہ باما ہر چہ کرد آشنا کرد

میں بیگانہ لوگوں کی وجہ سے ہرگز نہیں روتا ہوں کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ کیا وہ اپنوں نے کیا۔

حدود وتعزیرات میں

غامدی صاحب کے منشور کا یہ چوتھا بڑا عنوان ہے اس بڑے عنوان کے ضمن میں کل آٹھ دفعات ہیں اس میں سے چار دفعات پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے لیکن باقی چار دفعات میں سنگین غلطیاں ہیں جن پر شدید مؤاخذہ اور گرفت کی ضرورت ہے چنانچہ اس بڑے عنوان کا تیسرا دفعہ دیت سے متعلق ہے۔

شرعی دیت سے متعلق غامدی کا نظریہ

دیت سے متعلق غامدی صاحب اپنے منشور کے دفعہ ۳ کے تحت لکھتے ہیں:

دیت کے معاملے میں یہ حقیقت مانی جائے کہ قرآن مجید کی رو سے یہ بے شک ہر دور اور ہر معاشرہ کے لیے اسلام کا واجب الاطاعت قانون ہے لیکن اس کی مقدار، نوعیت اور دوسرے تمام امور میں قرآن کا یہی حکم ہے کہ ''معروف'' یعنی

معاشرے کے دستور اور رواج کی پیروی کی جائے۔ چنانچہ اسلام نے نہ دیت کی کوئی خاص مقدار ہمیشہ کے لیے متعین کی ہے اور نہ عورت اور مرد اور غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے(منشور ص:۱۷)

تبصرہ: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ غامدی صاحب کے پاس کونسی اتھارٹی ہے کہ وہ دیت وغیرہ شرعی احکام میں جوڑتوڑ کے لیے جج بنے ہوئے ہیں کیا چودہ سو سال سے جس مسئلہ کو صحابہ کرام اور تابعین اور مجتہدین وفقہاء نے سُلجھا کر امت کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور اس کے لیے واضح قواعد رکھ کر امت کو شاہراہ اعظم پر لگا دیا کیا وہ کافی وشافی نہیں ہے؟ اس کے بعد غامدی صاحب کی کس تحقیق کی ضرورت رہ گئی کہ وہ مجتہد بن کر پوچھے بغیر بلاضرورت تحقیق کے میدان میں اتر گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک تمام علماء اور محققین کو کنارے کر دیا اور اپنی خود ساختہ تحقیقات عرف اور دستور اور رواج اور شعراء جاہلیت کے اشعار کو امت پر مسلط کرنا شروع کر دیا تعجب اس پر ہے کہ امت تو نبی اکرم رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور ان کے لیے قوانین وقواعد غامدی صاحب بنا رہے ہیں؟ میں نے کئی بار کہا ہے اور پھر کہتا ہوں کہ غامدی صاحب آپ کے اجتہاد کی ہمیں ضرورت نہیں ہے آپ جو کچھ لکھ رہے ہو

اور نئی شریعت بنا رہے ہو اس سے آپ امت کو تشویش اور تشکیک میں ڈال رہے ہو مثلاً یہاں منشور کے دفعہ تین میں آپ نے دیت سے متعلق لکھا ہے ''دیت کی مقدار، نوعیت اور دوسرے تمام امور میں قرآن کا حکم یہی ہے کہ معروف یعنی معاشرے کے دستور اور رواج کی پیروی کی جائے اھ۔

کم از کم آپ کو خدا کا خوف نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن اترا اللہ تعالیٰ نے اس کی تفسیر وتبیین کا وعدہ بھی کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بیان بھی فرمایا نبی اکرم کے بیان کو چھوڑ کر آپ عرف اور دستور کے پیچھے لگے ہوئے ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ صرف سطحی غلطی نہیں بلکہ آپ کے دل ودماغ میں انکار حدیث اور دین اسلام کے مسخ کرنے کا ایک منصوبہ اور شوق پڑا ہوا ہے جب کسی حکم کے لیے نص موجود ہو تو تنصیص شرعی کے بعد آپ کو کس نے اجازت دی ہے کہ آپ عرف کی بات کرو اور معاشرے کے دستور اور رواج کی بات کرو یہی بات تو غلام احمد پرویز کرتا تھا کہ دین کا اصل اور مرکز حکومت اور گورنمنٹ ہے اور اللہ اور رسول سے مراد گورنمنٹ اور پارلیمنٹ ہے میں آپ سے کہتا ہوں کہ اگر آپ میں ذرا بھی انصاف ہے تو کیا نبی کی بات معیار ہونا چاہیے یا دستور اور رواج کی بات معیار ہونا چاہیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد کی دیت کے لیے سو اونٹ مقرر فرمائے ہیں یہ دین ابراہیمی کا قدیمی طریقہ قریش کے پاس تھا

یا عرب کا رواج تھا یا معاشرہ کا دستور تھا کچھ بھی تھا اللہ تعالیٰ کے رسول نے اس کو شریعت کا حصہ بنا دیا چنانچہ حضرت ابن عباس کی روایت کو طبقات ابن سعد نے اس طرح نقل کیا ہے:

قَالَ ابْنُ عَبّاسٍ وَعَبْدُالْمُطَّلِبِ اَوَّلُ مَنْ سنَّ دِيَةَ النَّفْسِ مأةً مِنَ الابِلِ فجرت فی قریشٍ وَالْعَرَب مأة من الابل واقرّها رسول اللّٰہِ صلی اللّٰہِ علیه وسلم علی ما کانتْ عَلَیْهِ (طبقات کبری ج ا ص ۵۹،۵۸)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عرب میں عبدا ✵ پہلا انسان ہے جنہوں نے جان کی دیت ایک سو اونٹ مقرر کر دیئے پھر قریش اور عرب میں سو اونٹوں کا سلسلہ جاری رہا پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شرعی طور پر وہی سو اونٹوں کا سلسلہ اسلام میں برقرار رکھا،

غامدی صاحب کو جان لینا چاہیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیت کے قانون کو اسلامی قانون کی حیثیت سے اپنا لیا اب یہ جاہلیت کا قانون نہیں رہا اور نہ زمانے کا عرف اور دستور رہا بلکہ اب یہ اسلام کا قانون بن گیا قول رسول اور فعل رسول کی طرح تقریر رسول بھی حدیث وسنت کا مقام رکھتی ہے ادھر مؤطا میں امام مالک رحمہ اللہ نے قتل خطاء کی دیت کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں صاف طور پر مذکور ہے ''اِنَّ فِی النَّفْسِ مِائَۃً مِّنَ الْاِبِلِ ''یعنی جان میں دیت کی مقدار سو اونٹ ہے۔

(مؤطا مالک کتاب العقول وسنن النسائی کتاب القسامۃ والدیات)

امام بخاری رحمہ اللہ کے ہم عصر محدث محمد بن نصر مروزی رحمہ اللہ اپنی کتاب السنۃ میں یہ روایت نقل کرتے ہیں:

عن محمد بن علقمة قال کتب عمر بن عبدالعزیز فی الدیات فذکر فی الکتاب و کانت دیة المسلم علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم مأة من الابل (کتاب السنۃ لابن مروزی)

یعنی محمد بن علقمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دیتوں سے متعلق ایک تحریر لکھی اس تحریر میں آپ نے ذکر کیا کہ مسلمان مرد کی دیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک سو اونٹ تھی۔

غامدی صاحب آنکھیں کھول کر ادھر بھی دیکھ لیں کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کو خود متعین کیا ہے یا معاشرے اور حکومت وقت پر چھوڑ رکھا ہے؟ آنے والی حدیث میں انسان اور انسان کے جسم کے مختلف اعضاء کی دیت کا تعین کیا گیا ہے حتی کہ خصیتین تک معاملہ جا پہنچا ہے اور خصیتین کی دیت کی مقدار ایک سو اونٹ بتائی گئی ہے غامدی صاحب اگر اس کو مقدار میں تعین نہیں مانتا ہے تو وہ آخر کیا تعین چاہتا ہے دیت کی تفصیل والی حدیث ملاحظہ ہو۔

جسم کے مختلف اعضاء کی دیت

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَتَبَ اِلٰی اَهْلِ الْیَمَنِ وَکَانَ فِیْ کِتَابِهٖ اَنَّ مَنْ اِعْتَبَطَ مُؤْمِنًا قَتْلًا فَاِنَّهٗ قَوَدُ یَدِهٖ اِلَّا اَنْ یَّرْضٰی اَوْلِیَآءُ الْمَقْتُوْلِ وَفِیْهِ اَنَّ الرَّجُلَ یُقْتَلُ بِالْمَرْأَةِ وَفِیْهِ فِی النَّفْسِ الدِّیَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ وَعَلٰی اَهْلِ الذَّهَبِ اَلْفُ دِیْنَارٍ وَفِی الْاَنْفِ اِذَا اُوْعِبَ جَدْعُهٗ الدِّیَةُ مِائَةٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِی الْاَسْنَانِ الدِّیَةُ وَفِی الشَّفَتَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الْبَیْضَتَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الذَّکَرِ الدِّیَةُ وَفِی الصُّلْبِ الدِّیَةُ وَفِی الْعَیْنَیْنِ الدِّیَةُ وَفِی الرِّجْلِ الْوَاحِدَةِ نِصْفُ الدِّیَةِ وَفِی الْمَامُوْمَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَفِی الْجَائِفَةِ ثُلُثُ الدِّیَةِ وَفِی الْمُنَقِّلَةِ خَمْسَ عَشْرَةَ مِنَ الْاِبِلِ وَفِیْ کُلِّ اِصْبَعٍ مِنْ اَصَابِعِ الْیَدِ وَالرِّجْلِ عَشْرٌ مِنَ الْاِبِلِ وَفِی السِّنِّ خَمْسٌ مِنَ الْاِبِلِ (رواه النسائی والدارمی) وَفِیْ رِوَایَةِ مالک وَفِی الْعَیْنِ خَمْسُوْنَ وَفِی الْیَدِ خَمْسُوْنَ وَفِی الرِّجْلِ خَمْسُوْنَ وَفِی الْمُوْضِحَةِ خَمْسٌ (مؤطا امام مالک)

اور حضرت ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم اپنے والد (حضرت محمد ابن عمرو) سے اور وہ ابوبکر کے دادا (حضرت عمرو ابن حزم) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے پاس ایک

ہدایت نامہ بھیجا جس میں لکھا ہوا تھا کہ جو شخص قصداً کسی مسلمان کو ناحق مار ڈالے (یعنی قتل عمد کا ارتکاب کرے) تو اس کے ہاتھوں کے فعل کا قصاص ہے (یعنی اس نے اپنے ہاتھوں کے فعل اور تقصیر کے ذریعہ جو قتل عمد کیا ہے اس کی سزا میں اس کو بھی قتل کر دیا جائے) الا یہ کہ مقتول کے ورثاء راضی ہو جائیں (یعنی اگر مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیں یا اس سے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں تو اس کو قتل نہ کیا جائے) اس ہدایت نامہ میں یہ بھی تھا کہ (مقتول) عورت کے بدلے میں (قاتل) مرد کو قصاص میں قتل کیا جائے، اس میں یہ بھی لکھا تھا کہ جان کا خون بہا سو اونٹ ہیں (یعنی جس کے پاس اونٹ ہوں وہ خون بہا میں مذکورہ تفصیل کے مطابق سو اونٹ دے) اور جس کے پاس سونا ہو وہ ایک ہزار دینار دے، اور ناک کی دیت جب کہ وہ پوری کاٹی گئی ہو ایک سو اونٹ ہیں اور دانتوں کی دیت (جب کہ وہ سب توڑے گئے ہوں) پوری دیت (یعنی ایک سو اونٹ کی تعداد) ہے اور ہونٹوں کی دیت (جب کہ وہ پورے کاٹ دیئے گئے ہوں) پوری دیت ہے اور دونوں خصیوں کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت اور پیٹھ کی ہڈی توڑے جانے کی پوری دیت اور عضو خاص کے کاٹے جانے کی بھی پوری دیت ہے اور دونوں آنکھوں کو پھوڑ دینے کی بھی پوری دیت ہے، اور ایک پیر کاٹنے پر آدھی دیت ہے، اور سر کی جلد زخمی کرنے پر تہائی دیت ہے اور پیٹ میں زخم پہنچانے پر بھی تہائی دیت ہے اور اس

طرح مجروح کرنے پر کہ ہڈی ایک جگہ سے سرک گئی ہو پندرہ اونٹ دینے واجب ہیں اور ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں میں سے ہر ایک انگلی (کاٹنے) پر دس اونٹ دینے واجب ہیں، اور ہر ہر دانت کا بدلہ پانچ پانچ اونٹ ہیں۔ (نسائی، دارمی) اور امام مالک رحمہ اللہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک آنکھ (پھوڑنے) کی دیت پچاس اونٹ ہیں اور ایک ہاتھ اور ایک پیر کی دیت پچاس پچاس اونٹ ہیں اور ایسا زخم پہنچانے کی دیت جس میں ہڈی نکل آئی ہو یا ظاہر ہوگئی ہو پانچ اونٹ ہیں۔ (مؤطا امام مالک)

قتل خطا اور شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہیں

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلاَ اِنَّ دِیَۃَ الْخَطَاءِ شِبْہُ الْعَمَدِ مَا کَانَ بِالسَّوْطِ وَالْعَصَا مِائَۃٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْھَا اَرْبَعُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھَا اَوْلاَدُھَا (رواہ ابوداؤد)

حضرت عبداللہ ابن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جاننا چاہیے کہ قتل خطاء جس سے مراد شبہ عمد ہے اور جو کوڑے اور لاٹھی کے ذریعہ واقع ہوا ہو، اس کی دیت سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس ایسی اونٹنیاں بھی ہونی چاہئے جن کے پیٹ میں بچے ہوں

(ابوداؤد)

قتل شبہ عمد کی دیت سو اونٹ ہیں

عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهُ قَالَ دِيَةُ شِبْهِ الْعَمَدِ اَثْلاَثًا ثَلَاثٌ وَثَلاَثُوْنَ حِقَّةً وَثَلاَثٌ وَّثَلاَثُوْنَ جِذْعَةً وَاَرْبَعٌ وَّثَلاَثُوْنَ ثَنِيَّةً اِلٰى بَازِلِ عَامِهَا كُلُّهَا خَلِفَاتٌ، وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ فِي الْخَطَاءِ اَرْبَاعًا خَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ حِقَّةً وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ جِذْعَةً وَخَمْسٌ وَّعِشْرُوْنَ بَنَاتَ لَبُوْنٍ وَخَمْسٌ وَعِشْرُوْنَ بَنَاتُ مَخَاضٍ

(رواہ ابوداؤد)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل شبہ عمد کی دیت میں (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں بایں تفصیل کہ تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو چوتھے برس میں لگی ہوں اور تینتیس اونٹنیاں وہ ہوں جو پانچویں برس میں لگی ہوں اور چونتیس اونٹنیاں وہ جو چھٹے برس میں لگی ہوں اور آٹھ نو سال تک جا پہنچی ہوں اور سب حاملہ ہوں۔ ایک اور روایت میں حضرت علی سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا قتل خطاء کی دیت میں چار طرح کی (سو) اونٹنیاں دینی واجب ہیں، بایں تفصیل کہ پچیس وہ ہوں جو تین تین برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو چار چار برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو دو دو برس کی ہوں اور پچیس وہ ہوں جو ایک ایک برس کی ہوں۔ (ابوداؤد)

(اس روایت کا آخری حصہ احناف کی دلیل ہے)

وَعَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ قَضٰی عُمَرُ فِیْ شِبْهِ الْعَمَدِ ثَلَاثِیْنَ حِقَّةً وَثَلَاثِیْنَ جذعةً وَّاَرْبعینَ خَلِفَةً مابینَ ثَنِیَّةٍ اِلیٰ بازِلِ عامِهَا (رواہ ابو داؤد)

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قتل شبہ عمد کی دیت میں تیس اونٹنیاں تین تین برس کی اور تیس اونٹنیاں چار چار برس کی اور چالیس اونٹنیاں حاملہ جو چھٹے برس سے لیکر نویں برس تک جا پہنچی ہوں دینے کا حکم فرمایا۔ (گویا یہ روایت حضرت امام شافعی کے مسلک کے موافق ہے)۔ابو داؤد

ان واضح احادیث اور واضح احکامات اور سر سے لیکر پاؤں تک انسان کے جسم کے ایک ایک عضو کا نام سردار دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مبارک زبان اور فرمان سے واضح فرماتے ہیں اور امت کو واضح ہدایات جاری فرما دیتے ہیں اور غامدی صاحب کہتا ہے کہ پیغمبر نے کوئی تعین کبھی بھی نہیں کی ہے غامدی کو اس کے سوا ہم کیا کہہ سکتے ہیں

پیغمبر کو کیا منہ دکھاؤ گے ظالم شرم مگر تم کو آتی نہیں

تعجب اس پر ہے کہ دن کی روشنی میں کس ڈھٹائی کے ساتھ غامدی صاحب دیت کا انکار کرتے ہوئے اپنی کتاب برھان میں لکھتے ہیں کہ ”زمانے کی گردشوں نے کتاب تاریخ میں چودہ صدیوں کے ورق الٹ دیے ہیں تمدنی حالات اور تہذیبی روایات، ان سب میں زمین وآسمان کا تغیر واقع ہوگیا ہے اب ہم دیت

میں نہ اونٹ دے سکتے ہیں نہ اونٹوں کے لحاظ سے اس دور میں دیت کا تعین کوئی دانشمندی ہے۔ (برھان ص:۱۸)

پیغمبر اسلام تو واضح انداز میں قیامت تک امت کے لیے دیت کی مقدار کو متعین کر کے فرمان جاری فرماتے ہیں اور غامدی صاحب کہتا ہے کہ یہ دانشمندی نہیں ہے ہم نہ اونٹ دے سکتے ہیں نہ اونٹوں کی قیمت دے سکتے ہیں پیغمبر کے قول وفعل کو غیر دانشمندانہ قرار دینا صریحاً کفر ہے اب علماء فیصلہ کریں کہ یہ شخص کس فتویٰ کا مستحق ہے میں غامدی صاحب کو جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ہوں بلکہ کہتا ہوں کہ غامدی صاحب کو توبہ کرنا چاہیے یہ دنیا فانی ہے پھر دوزخ میں توبہ کی گنجائش نہیں رہے گی۔

درِ فیض محمد وا ہے آئے جس کا جی چاہے
نہ آئے آتش دوزخ میں جائے جس کا جی چاہے
مریضان گناہ کو دو خبر فیض محمد کی
بلا قیمت دوا ملتی ہے آئے جس کا جی چاہے

غامدی صاحب نے اپنے منشور میں قرآن مجید کی آیات کا صرف حوالہ دیا ہے اور آیت سے متعلق تفصیل کو اپنی کتاب برھان میں لکھی ہے چنانچہ دیت سے متعلق قرآن مجید کی آیت یہ ہے {وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطأ و من قتل

مؤمناً خطأً فتحریر رقبة مؤمنة و دیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا}

(نسائ: ۹۲)

اور جو شخص کسی مؤمن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مؤمن غلام کو آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرے ہاں اگر وہ دیت کو معاف کر دیں اھ

جناب غامدی صاحب اس آیت میں لفظ ''دیة'' کے پیچھے پڑ گیا ہے اور کہتا ہے کہ دیت کا لفظ نکرہ ہے اور نکرہ میں عموم ہوتا ہے کسی چیز میں تعیین و تخصیص نہیں ہوتی مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شی جو دیت کے نام سے معروف ہو وہ مراد ہے کسی چیز میں تعیین و تخصیص نہیں ہوگی ہمیں اس معاملے میں عرف کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے لہذا مخاطب کے عرف میں جس چیز کا نام دیت ہے وہ مقتول کے ورثہ کے سپرد کر دی جائے۔ (برھان: ص: ۱۱)

اس کے علاوہ غامدی صاحب نے عرب کے اشعار کا ڈھیر لگا دیا ہے اور اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جاہلیت میں شعراء عرب نے دیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے لہذا اسلام میں دیت کی خاص مقدار متعین نہیں ہے بس صرف زمانہ کا عرف معتبر ہے اور حاکم وقت کا اعتبار ہے وہ جتنا رد و بدل دیت میں کرنا چاہتا ہے کر سکتا ہے برھان ص: ۱۱ پر غامدی صاحب دیت سے متعلق کہتا

ہے کہ روایات میں اس کے بارے میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ عرب کے دستور کی وضاحت ہے اس میں کوئی چیز بھی خود پیغمبر کا فرمان واجب الاذعان نہیں ہے۔

(برھان ص:۱۱)

غامدی صاحب اپنے منشور کے دفعہ ۳ کے تحت مزید لکھتا ہے کہ ''چنانچہ اسلام نے دیت کی نہ کوئی خاص مقدار ہمیشہ کے لیے متعین کی ہے اور نہ عورت اور مرد اور غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے (منشور: ص:۱۸)

تبصرہ: دیت کی مقدار کی عدمِ تعیین کے بارے میں غامدی صاحب غلط بیانی سے کام لے رہا ہے پچھلے صفحات میں جن احادیث کو میں نے پیش کیا ہے اس میں انتہائی صراحت کے ساتھ دیت کی مقدار کا بیان موجود ہے طبقات ابن سعد کے حوالہ سے حضرت ابن عباس کی صریح حدیث ہے جس میں دیت کے ایک سو اونٹ کا ذکر موجود ہے پھر مؤطا مالک میں صریح حدیث ہے جس میں ایک سو اونٹ کا بیان موجود ہے کتاب السنہ میں علامہ محمد بن نصر مروزی کی نقل کردہ صریح حدیث ہے جس میں دیت کی ایک سو اونٹ کا ذکر ہے۔

محمد بن عمرو بن حزم کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت سے متعلق جو خط لکھا تھا

اس میں جان کے بدلے ایک سو اونٹ کے علاوہ جسم کے تمام اعضاء کی دیت کا واضح بیان موجود ہے یہاں تک کہ انسان کے ذکر اور خصیتین کی دیت کی مقدار متعین طور پر موجود ہے، نسائی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اب نہ معلوم غامدی صاحب اس سے مزید کیا مقدار اور کیا تعیین چاہتا ہے اسی طرح عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث میں ایک سو اونٹ کی وضاحت موجود ہے جس کو ابوداؤد نے ذکر کیا ہے اسی طرح امام مجاہد نے حضرت عمر کا فیصلہ نقل کیا ہے اس میں ایک سو اونٹ دیت کا ذکر ہے ابوداؤد نے اس کی تخریج کی ہے اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے واضح فرمان کو ابوداؤد نے نقل کیا ہے جس میں ایک سو اونٹ دیت کی مقدار کا تعین مذکور ہے میں نے ان احادیث کو متن اور ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے ان تصریحات وتشریحات کے باوجود غامدی صاحب نے اپنے منشور میں جو یہ لکھا ہے کہ اسلام نے ہمیشہ کے لیے دیت کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں کی ہے یہ غامدی صاحب کی انتہائی گمراہی ہے اور ان کی بہت بڑی خیانت اور غلط بیانی اور بہت بڑا دھوکہ ہے جو وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ کر رہا ہے وہ غامدی جو اتنا گہرا آدمی ہے کہ بال کی کھال اتارتا ہے کیا ان کی نظروں سے دیت کی اتنی بڑی حقیقت پوشیدہ رہ سکتی ہے؟ کبھی بھی نہیں البتہ وہ دین اسلام کو ایک نیا رخ دینا چاہتا ہے اور اپنا باطل مطلب حاصل کرنا چاہتا ہے وہ دیت کی مقدار کو چھپانے

کے لیے عرف کا بگل بجاتا ہے کبھی دستور اور رواج کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے اور کبھی السبع المعلقات اور دیوان حماسہ میں دیت سے متعلق جاہلیت کے اشعار گا گا کر دیت کی مقدار سے راہ فرار اختیار کرتا ہے یہ اس شخص کا صرف انکار حدیث نہیں بلکہ دین اسلام کی بنیادوں کے اکھیڑنے کے لیے ان کے دل و دماغ میں الحاد اور زندقہ کا ایک جذبہ موجزن ہے میں ان سے پوچھتا ہوں کہ اگر جاہلیت کے اشعار سے شرعی حکم ثابت ہو جاتا ہے تو ان اشعار میں تو دیت کے علاوہ بھی بہت ساری چیزیں موجود ہیں پھر اس کو بھی قبول کرو چنانچہ دیوان حماسہ میں بنو قیس بن ثعلبہ کا ایک شاعر شراب پینے اور خوبصورت لڑکی سے اختلاط کی اس طرح درخواست کرتا ہے۔

انا محیوک یا سلمیٰ فحیینا

وان سقیت کرام الناس فاسقینا

اے سلمیٰ! ہم تمہیں محبت کا سلام پیش کرتے ہیں تم بھی ہمیں محبت کا سلام پیش کرو، اور اگر کبھی تم نے اشراف لوگوں کو شراب پلائی ہے تو ہمیں بھی پلادو کیونکہ ہم بھی شرفا لوگ ہیں۔

غامدی صاحب نے اپنی کتاب ''برھان'' میں شراب کی حد شرعی کا بھی بہت مذاق اڑایا ہے چنانچہ لکھتا ہے: اس سے واضح ہے کہ یہ (شراب کی حد) شریعت

ہرگز نہیں ہوسکتی (ص ۱۳۸)

پھر مزید لکھتا ہے لہٰذا یہ بالکل قطعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر شراب نوشی کے مجرموں کو پٹوایا تو شارع کی حیثیت سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے حکمران کی حیثیت سے پٹوایا (برھان:۱۳۹)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غامدی نے شراب نوشی کے لیے بھی اسی اوپر مذکورہ سلمٰی کے شعر کو بنیاد بنایا ہوگا میں کھلے الفاظ میں کہتا ہوں کہ غامدی صاحب دین اسلام کا مجرم اور دین اسلام کے احکام کے لیے ڈاکو ہے اور ان کے نظریات کفر کی سرحدوں تک جا پہنچے ہیں۔ میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ تمہیں کونسی وحی آئی جس سے آپ نے اندازہ لگایا کہ فلاں حکم نبی کی نبوت کی حیثیت سے آیا ہے اور فلاں حکم بشری حیثیت سے آیا ہے فلاں حکم نبی کے عربی معاشرت کی وجہ سے آیا ہے اور فلاں حکم نبی کے حاکم ہونے کی حیثیت سے آیا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اس طرح تقسیم کرنے کا آپ کو کس نے اختیار دیا ہے اور آپ کون ہوتے ہیں جو اس طرح فیصلوں کے لیے جج بنے ہوئے ہو؟

دل چاہتا ہے کہ میں قلم کی نوک کو تلوار بنا کر اس پر چلاؤں مگر اخلاق کے دائرہ سے نکل نہیں سکتا ہوں بس اتنا کہتا ہوں کہ اے اللہ! غامدی اور اس کے متبعین کی فنکاری اور مقالہ نگاری سے اسلام کی حفاظت فرما اور اس فتنہ کو نیست و نابود فرما

غامدی نے اپنی کتاب ''برہان'' کے ابتدائی دیباچہ میں لکھا ہے کہ اس مجموعہ مضامین کی تحریریں زیادہ تر معاصر مذھبی فکر کی تنقید میں ہے ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے لیے گراں باری ءخاطر کا باعث ہو لیکن

ے چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

میں غامدی صاحب کی دماغ سوز اور دین اسلام کو مسخ کرنے والی تحریر و تحریف و تزویر سے بھری ہوئی عبارات کے جواب میں اگر بھاری جملے لکھدوں اور وہ جملے کسی کے لیے بار خاطر بن جائیں تو وہ بھی غامدی والا مذکورہ شعر کچھ تصرف کے ساتھ اپنے لیے تسکین خاطر کا ذریعہ بنائے۔

قلم میں تلخ نوائی میری گوارا کر ☆ کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

لو بھائی غامدی صاحب نے دیت سے چھٹی دلا دی

غامدی صاحب نے پہلے دیت کی مقدار میں تعین کا انکار کر دیا اب دیکھئے وہ دیت کے قانون پر جھاڑو پھیر کر چھٹی دلا رہا ہے چنانچہ برہان میں وہ لکھتا ہے ہمارے معاشرے میں دیت کا کوئی قانون چونکہ پہلے سے موجود نہیں ہے اس وجہ سے ہمارے ارباب حل وعقد کو اختیار ہے کہ چاہیں تو عرب کے اس دستور کو برقرار رکھیں اور چاہیں تو اس کی کوئی دوسری صورت تجویز کریں وہ جو صورت بھی اختیار کریں گے اور معاشرہ اسے قبول کر لیتا ہے تو ہمارے لیے وہی معروف قرار

پائے گی پھر معروف پر مبنی قوانین کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حالات اور زمانے کی تبدیلی سے ان میں تغیر کیا جا سکتا ہے اور کسی معاشرے کے اولی الامر اگر چاہیں تو اپنے اجتماعی مصالح کے لحاظ سے انہیں نئے سرے سے مرتب کر سکتے ہیں (برھان ص:۱۹)

اس عبارت میں غامدی صاحب دیت کے معروف اور دستور اور رواج کی اصطلاحات سے ترقی کر کے آگے چلے گئے کہ اس معروف اور دستور کے مطابق والی دیت کو بھی وقت کے حکمران بدل سکتے ہیں اور مثلاً پرویز مشرف اور عبدالرحمن ملک کو اس میں ہر تغیر کا اختیار حاصل ہے میں کہتا ہوں غامدی صاحب دنیا میں تیری یہ آرزو پوری نہیں ہوگی البتہ قبر کے کیڑے تیرے لیے دیت کا فیصلہ کریں گے اور بچھو اور سانپ ان شاء اللہ تیری دیت کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔

مرد اور عورت کی دیت میں فرق کا ثبوت

غامدی صاحب نے اپنے منشور کے دفعہ ۳ کے آخر میں لکھا ہے "اور اسلام نے نہ عورت اور مرد اور غلام اور آزاد اور کافر اور مؤمن کی دیتوں میں کسی فرق کی پابندی ہمارے لیے لازم ٹھہرائی ہے (منشور:ص:۱۷،۱۸)

غامدی صاحب نے اس عبارت میں غلط بات کہی ہے اسلام میں ان مذکورہ

اشخاص کی دیت میں یقیناً فرق ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

سنن کبریٰ بیہقی کا حوالہ

چنانچہ سنن کبریٰ میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کی ہے۔

عن ابراهيم النخعي رحمه الله عن عمر بن الخطاب و علي بن ابي طالب انهما قالا عقل المرأة على النصف من دية الرجل في النفس وفيما دونهما (سنن الكبرى بيهقي: ج ۸ ص: ۹۶، و كتاب الحجة از امام محمد ج ۴ ص: ۲۸۴)

یعنی ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں کا یہ قول ہے کہ عورت کے قتل نفس اور زخموں کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

تفسیر نیشاپوری کا حوالہ

تفسیر نیشاپوری یعنی تفسیر غرائب القرآن میں دیت کی سورۃ نساء کی آیت: ۹۲ کی تفسیر میں وہ لکھتے ہیں:

ان دية المرأة نصف دية الرجل باجماع المعتبرين من الصحابة

(تفسیر نیشاپوری)

بیشک عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہے اور اس پر معتبر صحابہ کا اجماع

ہے۔

بدایۃ المجتہد کا حوالہ

علامہ ابن رشد نے عورت کی دیت کو مرد کی دیت کے نصف ہونے پر ائمہ اربعہ کا اتفاق نقل کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

اما دیۃ المرأۃ فانهم اتفقوا علی النصف من دیۃ الرجل فی النفس فقط

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص: ۳۱۵)

باقی رہا عورت کی دیت کا معاملہ تو اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ عورت کی دیت مرد کی دیت سے آدھی ہے۔

التشریع الجنائی کا حوالہ

علامہ عبدالقادر عودہ شہید رحمہ اللہ التشریع الجنائی میں لکھتے ہیں:

و من المتفق علیه ان دیۃ المرأۃ علی النصف من دیۃ الرجل فی القتل

(التشریع الجنائی ج ۱ ص: ٦٦٩) اس امر پر امت کا اتفاق ہے کہ قتل خطاء کی صورت میں عورت کی دیت مرد کی دیت کا نصف ہوگی۔

ائمہ احناف اور صاحب ہدایہ کا حوالہ

ائمہ احناف کے مفسرین اور اصحاب الفتاویٰ اور اصحاب الفقہ کا متفقہ فیصلہ ہے

کہ عورت کی دیت مرد کی دیت کے مقابلے میں آدھی ہے ہدایہ اور عنایہ وبنایہ وکفایہ کنز الدقائق اور قدوری کی عبارت اس طرح ہے:

و دیة المرأة علی النصف من دیة الرجل فی النفس و فیما دونه

(بحوالہ کنز الدقائق ۴۸۶)

اور عورت کی دیت مرد کی دیت کے مقابلے میں آدھی ہے خواہ جان میں ہو یا اس سے کم میں ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ دیت کے بارے میں امت کے فقہاء ومجتہدین ومحدثین ومفسرین ایک طرف ہیں کہ قتل خطاء میں مرد کی دیت ایک سو اونٹ ہیں اور عورت کی دیت اس کی آدھی ہے یہ حضرات احادیث اور فتاوٰوں اور امت کے اجماع سے استدلال کرتے ہیں اور دوسری طرف غامدی ہے جو کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ دیت کی کوئی معین مقدار نہیں ہے اور نہ عورت اور مرد کی دیت میں کوئی فرق ہے اس طرح غامدی صاحب اجماع امت اور احادیث مقدسہ اور تمام مفسرین سے مخالف راستہ اختیار کر رہا ہے اسی لیے ہم اس کہنے میں حق بجانب ہیں کہ جاوید احمد غامدی صاحب غلط بیانی کر رہا ہے اور پوری امت کے علماء پر بہتان باندھتا ہے اور صریح وصحیح احادیث کا انکار کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں ہے یہ اجتہادی انداز سے کچھ بولتا

ہے جو سب غلط ہے ان کا اجتہاد اس قابل ہے کہ وہ اس کے منہ پر مارا جائے یا ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جائے یا صحرائی قبرستان میں دفن کیا جائے۔

جاوید غامدی صاحب نے مرتد کی شرعی سزا کو کالعدم قرار دیا

''حدود اور تعزیرات'' کے بڑے عنوان کے تحت دفعہ ۴ کے ضمن میں غامدی صاحب منشور کے ص:۱۸ پر مرتد کی شرعی سزا کو کالعدم قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں ''اسی طرح ارتداد کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے کہ اس کی جو سزا بالعموم بیان کی جاتی ہے وہ قرآن مجید کی رو سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم۔ بنی اسماعیل۔ ہی کے ساتھ خاص تھی۔ ان کے بعد یہ ہمیشہ کے لیے ختم ہوئی، چنانچہ اب اگر کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے اور اس کے ساتھ کسی فساد کا مرتکب نہ ہو تو محض اس بناء پر اسے کوئی سزا نہیں دی جا سکتی ہے (منشور:۱۸)

تبصرہ: سب سے پہلے تو یہ پوچھنا ہے کہ جاوید غامدی صاحب کی پوزیشن اور اتھارٹی کیا ہے جو یہ حکم صادر فرما رہے ہیں کہ ارتداد کے بارے میں یہ حقیقت تسلیم کی جائے وہ کس کو مخاطب بنا رہا ہے اور مخاطب کو کونسی حقیقت تسلیم کروا رہا ہے یا خود جج بنا ہوا ہے اور خود فیصلہ سنا رہا ہے دوسری بات غامدی صاحب نے یہ کہی ہے کہ ارتداد کی سزا قرآن کی رو سے نبی علیہ السلام کی قوم بنی اسماعیل کے

ساتھ خاص ہے قرآن مجید کے بارے میں غامدی صاحب نے غلط بیانی سے کام لیا ہے قرآن عظیم میں کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس نے ارتداد کی سزا کو عرب یا بنی اسماعیل کے ساتھ خاص کیا ہو البتہ ارتداد پر وعید شدید اور عذاب جحیم کی سزا قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{ومن یرتدد منکم عن دینه فیمت وهو کافر فاولئک حبطت اعمالهم فی الدنیا والاخرة واولئک اصحاب النار هم فیها خالدون}

(بقرہ:۲۱۷)

ترجمہ: اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھریگا اور کفر کی حالت ہی میں مریگا تو اس کے سارے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو جائیں گے ایسے لوگ دوزخی ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

مندرجہ بالا آیت ارتداد سے متعلق قیامت تک کے لیے ایک عام سزا سناتی ہے کہ اگر کوئی شخص دین اسلام سے مرتد ہو گیا اور پھر اسی ارتداد پر مرا تو اس کے سابقہ ولاحقہ تمام اعمال باطل ہو گئے اور جان ومال بھی محفوظ نہ رہا نکاح بھی ٹوٹ گیا کیونکہ مرتد ہو گیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: یعنی دین اسلام سے پھر جانا اور اسی حالت پر آخیر تک قائم رہنا ایسی سخت بلا ہے کہ عمر بھر کے نیک کام ان کے ضائع ہو جاتے ہیں کہ کسی بھلائی کے مستحق نہیں رہتے۔ دنیا میں نہ ان کی جان ومال محفوظ رہے نہ نکاح قائم رہے نہ ان کو میراث ملے نہ

آخرت میں ثواب ملے اور نہ کبھی جہنم سے نجات نصیب ہو (تفسیر عثمانی: ۴۲)
قرآن مجید کی رو اور آیت کی تفسیر اور حکم تو یہی ہے جو لکھا گیا نہ معلوم غامدی کے پاس کونسا قرآن ہے جس میں مرتد کے لیے کوئی خاص حکم نازل ہوا ہے۔

احادیث کے مطابق مرتد کی سزا

بخاری شریف میں حدیث ہے جو اس آیت کی تفسیر بھی ہے اور مرتد کی سزا کا واضح حکم بھی ہے وہ حدیث یہ ہے:

قال علیه السلام من بدل دینه فاقتلوه (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان اپنا دین بدل دے تو اسے قتل کردو۔

ارتداد اور مرتد کی سزا سے متعلق دوسری حدیث ملاحظہ ہو:

عن عبداللہ رضی اللہ عنه قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم لا یحل دم امریء مسلم یشهد ان لا اله الا اللہ وانی رسول اللہ الا باحدی ثلاث النفس بالنفس والثیب الزانی والمفارق لدینه التارک للجماعة

(بخاری ومسلم)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کا خون بہانا جائز نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں ماسوائے تین صورتوں کے ایک یہ کہ اس نے کسی کو قتل کیا ہو دوسری یہ کہ وہ شادی شدہ زانی ہو اور تیسری یہ کہ وہ اپنا دین چھوڑ کر مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جائے۔

اسی مضمون کی بہت ساری احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اسلام میں مرتد شخص کی سزا قتل ہے ان احادیث کی وجہ سے جمہور فقہاء کا بھی فتویٰ ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے چنانچہ فقہاء اربعہ کے چند فتاویٰ لکھ دیتا ہوں الگ الگ سارے فتاویٰ کا جمع کرنا بہت دشوار ہے۔

فقہاء اربعہ کے ہاں مرتد کی سزا قتل ہے

(۱) مذاہب اربعہ پر لکھی گئی مستند کتاب 'الفقہ علی المذاہب الاربعۃ' میں اس کے مؤلف عبدالرحمن جزیری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

واتفق الائمۃ الاربعۃ رحمھم اللہ علی ان من ثبت ارتدادہ عن الاسلام۔ والعیاذ باللہ۔ وجب قتلہ واھدر دمہ

(الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۵ ص: ۴۲۳)

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص اسلام سے پھر جائے (اللہ اس سے بچائے) اس کا قتل واجب ہے اور اس کا خون رائیگاں ہے۔

(۲) موسوعۃ الاجماع میں ہے:

اتفقوا علی ان من کان رجلا مسلماً حراً ثم ارتد الی دین کفرٍ انہ حل دمہ (موسوعۃالاجماع ج ا ص: ۴۳۶)

اس پر تمام فقہاء اسلام کا اتفاق ہے کہ آزاد مسلمان مرد اگر مرتد ہوجائے تو اس کا خون بہانا جائز ہے۔

(۳) اسلامی فقہ کی مشہور کتاب ''الفقہ الاسلامی و ادلتہ'' میں ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے احکام المرتد میں فقہاء اربعہ کا فتویٰ دلیل کے ساتھ نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

اتفق العلماء علی وجوب قتل المرتد لقولہ علیہ السلام من بدل دینہ فاقتلوہ وقولہ علیہ السلام لا یحل دم امریٔ مسلم الا باحدیٰ ثلاث الثیب الزانی والنفس بالنفس والتارک لدینہ المفارق للجماعۃ واجمع اھل العلم علی وجوب قتل المرتد (ج۶ ص: ۱۸۶)

یعنی علماء نے مرتد کے قتل پر اتفاق کیا ہے اور دو صحیح حدیثوں کی وجہ سے مرتد کے قتل پر اہل علم نے اجماع کیا ہے۔

قرآن وحدیث کی تصریحات کے بعد اور فقہاء کے اجماعی فتاویٰ کے بعد آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ جاوید احمد غامدی صاحب پر یہ فیصلے کیسے مخفی رہے ہیں بس یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ غامدی صاحب نے گمراہی کا راستہ کسی غلط فہمی سے نہیں

بلکہ دیدہ ودانستہ ارادہ کے ساتھ اختیار کیا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ اسی دفعہ کی اگلی عبارت میں غامدی صاحب کہتا ہے کہ اب ارتداد کی سزا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔ ہم غامدی سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ آپ کے پاس کونسی دلیل ہے کہ یہ سزا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی؟ اور آپ کس بنیاد پر کہتے ہو کہ یہ سزا ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی کیا کوئی نئی وحی آگئی یا آسمان سے کوئی الہام ہوگیا؟ غامدی صاحب کو ذرا بھی حیاء نہ آئی کہ وہ اتنے بڑے بڑے فقہاء اور مفسرین کے بارے میں لکھتا ہے کہ **من بدل دینه فاقتلوه** کی حدیث کے سمجھنے میں فقہاء کو غلطی ہوگئی اور انہوں نے اس کو عام کر کے مرتد کی سزا موت قرار دی اور اس طرح اسلامی حدود وتعزیرات میں ایک ایسی سزا کا اضافہ کر دیا جس کا وجود ہی اسلامی شریعت میں ثابت نہیں ہے اس طرح گفتگو غامدی نے اپنی کتاب برہان میں کی ہے یہاں منشور میں البتہ غامدی نے یہ لکھا ہے کہ اگر مرتد کسی فساد کا مرتکب نہیں ہوا ہے تو محض مرتد ہونے سے اس کو قتل کی سزا نہیں دی جاسکتی ہے میں کہتا ہوں کہ غامدی صاحب آپ بتائیں ایک شخص دین اسلام کو چھوڑ کر اس کو بدنام کرتا ہے پھر اگر ہندو بنا تو وہ کروڑوں دیوتاؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے اگر یہودی اور عیسائی بنا تو اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا ثابت کرنے لگتا ہے اگر مشرک بنا تو فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتا ہے اور ارتداد کے

بعد اسلام کے حق میں گستاخی کرتا ہے قرآن عظیم کو غلط کہتا ہے کیا یہ قبیح اعمال وافعال واقوال فساد نہیں ہے؟ اور شریعت کے مسلّمہ احکام پر اتنا بڑا حملہ کیا فساد نہیں؟ ایسا لگتا ہے کہ غامدی صاحب کو تکوینی طور پر رسوا ہونا تھا جو رسوا ہو گیا

چوں خدا خواہد کہ پردۂ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ چاک کرنا چاہتا ہے تو اس کا میلان نیک لوگوں کی برائی کی طرف کر دیتا ہے غامدی صاحب نے شاید اپنے ارتداد کے ارتکاب کے خوف سے یہ نیا فتویٰ اور نئی فقہ ایجاد کیا تا کہ ان کی طرف کوئی خطرہ متوجہ نہ ہو جائے حالانکہ اصل خطرہ تو آخرت کا ہے دنیا تو فانی جگہ ہے

غامدی صاحب کو چاہیے تھا کہ وہ سکھوں پر لکھتے کہ ان میں جو کوئی مسلمان ہو جاتا ہے تو اس کا قتل کرنا ان کے نزدیک واجب ہے بلکہ پانچ سال تک اگر وہ شخص دنیا کے کسی کونے میں کسی بھی سکھ کو مل جائے سکھ اس کو قتل کر سکتا ہے ہندوؤں کے ہاں قانون ارتداد اس سے بھی زیادہ سخت ہے دنیا کی فوج کا قانون دیکھ لیجئے اگر کوئی آدمی وقت سے پہلے فوج سے ملازمت چھوڑ دیتا ہے اور بھاگ جاتا ہے تو اس کا کورٹ مارشل ہو جاتا ہے ان سب کے لیے غامدی صاحب نے کچھ بھی نہیں لکھا اگر لکھا تو اسلام پر لکھا کہ اس کا قانون ارتداد صحیح نہیں ہے کسی وقت جزوی طور پر تھا اب مکمل ختم ہو گیا ہے۔

غامدی صاحب کا نظریہ تخصیص احکام

جناب جاوید غامدی صاحب بڑے بننے کی پوری کوشش کرتا ہے اپنے آپ کو مجتہد، اسکالر اور دانشور دکھانے کے لیے ہر حربہ استعمال کرتا ہے اور تجدد کا ہر نیا راستہ دین میں نکال کر لاتا ہے ان کا ایک خطرناک نظریہ تخصیص احکام کا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ غامدی صاحب کے نزدیک دین اسلام کے بہت سارے احکام ایسے ہیں جو رہتی دنیا کے لیے عام ضابطہ نہیں بلکہ اسلام کے دور اول کی وقتی مصلحت تھی اور معاشرہ کی وقتی ضرورت تھی یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی حیثیت تھی یا صحابہ کرام کے معروضی احوال کے پیش نظر چند احکام آئے اور پھر موقوف ہو گئے جیسے دیت کی مقدار کا قانون احوال کے پیش نظر تھا ارتداد کی سزا قتل اس وقت کے بنی اسماعیل کے ساتھ خاص تھی حد خمر کی سزا مخصوص انداز سے اس وقت کے ساتھ خاص تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کسی کو کافر قرار نہیں دیا جا سکتا معروف اور منکر کا تعین وحی نہیں بلکہ انسانی فطرت اور خاص ماحول کرتا ہے کفار کے خلاف جہاد وقتال اس وقت کی خاص ضرورت تھی جہاد ہمیشہ کے لیے نہیں تھا یہ اور اس قسم کے کئی احکام غامدی صاحب کے نزدیک اسلام کے دور اول کے ساتھ خاص تھے آئندہ ادوار سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

جواب

غامدی صاحب سے پوچھا جائے کہ نبی آخر الزمان اور دین اسلام قیامت تک کے لیے ہے یا اس میں ردوبدل کا امکان ہے اگر دین اسلام قیامت تک کے لے ہے اور یقینا ایسا ہی ہے تو پھر اس کے احکامات کو دور اول کے ساتھ کیوں خاص کیا جاتا ہے؟ اور جب غامدی صاحب کا نظریہ تخصیص احکام کا بن گیا تو پھر چند احکامات کی تخصیص کیوں؟ پھر تو نبی آخر الزمان کی نبوت کو بھی عرب امیین کے ساتھ خاص کر دینا چاہیے جس طرح یہود ونصاریٰ کا دعویٰ ہے اسی طرح قرآن کریم کو بھی دور اول کے عرب کے ساتھ خاص کر دو اور کہہ دو کہ عجم کی یہ زبان نہیں ہے نمازوں کو بھی اس معاشرہ کے ساتھ خاص مانو روزہ اور زکوۃ اور حج کو بھی خاص کر دو اور حرام وحلال جائز وناجائز کو بھی اس معاشرہ کی ضرورت کے ساتھ خاص کر دو اور دین اسلام سے لوگوں کی چھٹی کرا دو اور یہ اعلان کر دو کہ اب یہ دور قلم کا دور ہے مضمون نگاری اور قلم کاری کا دور ہے دانشوری کا دور ہے جدید دور ہے ماڈرن دور ہے پرانے قصے کہانیاں ختم کرنے کا دور ہے آزادی کا دور ہے اور اس شعر کے پڑھنے کا دور ہے۔

آزادئ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر
وائے ناکامی متاع کاروان جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

قانون شہادت سے متعلق غامدی صاحب کا نظریہ

''حدود وتعزیرات'' کے بڑے عنوان کے تحت دفعہ ۵ کے ضمن میں قانون شہادت کے متعلق اپنے منشور کے ص:۱۸ پر جناب غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ ''شہادت کے معاملے میں بھی یہ حقیقت تسلیم کی جائے کہ حدود وتعزیرات، قصاص ودیت، مالی حقوق، نکاح وطلاق، غرض یہ کہ تمام معاملات میں یہ قاضی کی صواب دید پر ہے کہ وہ کس کی گواہی قبول کرتا ہے اور کس کی گواہی قبول نہیں کرتا، اس میں عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے عورت اگر اپنے بیان میں الجھے بغیر واضح طریقے پر گواہی دیتی ہے تو اسے محض اس وجہ سے رد نہیں کر دیا جائے گا کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری عورت یا مرد نہیں ہے اور مرد کی گواہی میں اگر اضطراب وابہام ہے تو اسے محض اس وجہ سے قبول نہیں کیا جائے گا کہ وہ مرد ہے عدالت اگر گواہوں کے بیانات اور دوسرے قرائن وحالات کی بنا پر مطمئن ہو جاتی ہے کہ مقدمہ ثابت ہے تو وہ لامحالہ اسے ثابت قرار دے گی اور وہ اگر

مطمئن نہیں ہوتی تو اسے یہ حق بے شک حاصل ہے کہ وہ دس مردوں کی گواہی کو بھی قبول کرنے سے انکار کردے (منشور: ص: ۱۸)

تبصرہ: غامدی صاحب نے اپنے منشور کی مذکورہ عبارت میں واضح طور پر مسلمانوں کے سارے اسلامی احکام اور معاملات کو ججوں کے حوالے کر دیا ہے اور ججوں کو کسی شریعت وقانون کا پابند نہیں رکھا بلکہ سب کچھ ان کے صواب دید پر چھوڑ دیا ہے کہ جج جو کچھ کرنا چاہتا ہے ان کو مکمل اختیار ہے کہ کسی کی گواہی قبول کرے یا رد کرے گواہ عورت ہو یا مرد ہو کوئی فرق نہیں ہے یہ غامدی صاحب کی بہت بڑی گمراہی ہے اس طرح اس نے شریعت مقدسہ کے اصول وقواعد کو معطل کر کے پارہ پارہ کر دیا ہے حالانکہ قاضی مسلمانوں کے اسلامی حاکم کی طرف سے شریعت کے اسلامی فیصلوں پر مقرر ہوتا ہے اور شریعت کے ہر ضابطے کا پابند ہوتا ہے اس کا منصب اتنا حساس ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں یا قضاء حاجت کی ضرورت کی حالت میں یا بھوک و پیاس کی حالت میں فیصلہ نہیں سنا سکتا ہے کیونکہ ان احوال میں ان کی گرفت شرعی مسئلہ پر مضبوط نہیں ہوتی ہے مبادا غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے، قاضی کو شریعت نے قطعاً آزاد نہیں چھوڑا ہے کہ وہ اپنی صواب دید پر فیصلے سنایا کرے بلکہ اس کو سب سے پہلے قرآن پھر سنت پھر اجماع امت کے فیصلوں کے پابند بنایا ہے چنانچہ ترمذی اور ابوداؤد کی روایت اس طرح ہے:

عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما بعثہ الی الیمن قال کیف تقضی اذا عرض لک قضاء قال اقضی بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ؟ قال فبسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فان لم تجد فی سنۃ رسول اللہ؟ قال اجتہد رائی ولا آلو قال فضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی صدرہ وقال الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (قاضی بنا کر) یمن بھیجا تو ان سے پوچھا کہ جب تمہارے سامنے کوئی قضیہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کروگے انہوں نے کہا کہ میں کتاب اللہ کے موافق فیصلہ کروں گا آنحضرت نے فرمایا کہ تمہیں اگر وہ مسئلہ (صراحۃً) کتاب اللہ میں نہ ملا؟ انہوں نے فرمایا کہ پھر سنت رسول اللہ (حدیث نبوی) کے مطابق فیصلہ کروں گا فرمایا کہ اگر تمہیں وہ مسئلہ سنت رسول اللہ میں بھی (صراحۃً) نہ ملا؟ انہوں نے کہا کہ پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک معاذ کے سینے پر مارا اور فرمایا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے رسول اللہ کے قاصد (معاذ) کو اس چیز کی توفیق عطا کی جس سے اللہ کا رسول راضی ہوا

(ترمذی ابوداؤد)

اس حدیث سے قاضیوں کے فیصلوں کا مأخذ معلوم ہوا جس سے ظاہر ہوا کہ قاضی کی اپنی کوئی صواب دید نہیں ہے وہ اپنے فیصلوں میں قرآن وسنت اور اس کی روشنی میں صحیح اجتہاد اور اجماع امت کا پابند ہے غامدی نے غلط کہا ہے اور غلط لکھا ہے، اب چند حدیثوں کا ترجمہ نقل کرتا ہوں تا کہ معلوم ہو جائے کہ حق کو چھوڑ کر قاضی نے اگر غلط فیصلہ کیا تو دوزخ میں جائے گا۔

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلمانوں کے منصب قضاء کا طالب اور خواستگار رہا یہاں تک کہ اس نے اس کو حاصل بھی کر لیا اور پھر اپنے فرائض منصبی میں اس کا عدل وانصاف ظلم پر غالب رہا تو وہ جنت کا مستحق ہوگا اور جس قاضی کا ظلم اس کے عدل وانصاف پر غالب رہا تو وہ دوزخ کا سزاوار ہوگا

(ابوداؤد)

(۲) ایک اور حدیث میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک قسم کے تو جنت میں جائیں گے اور دو قسم کے دوزخ میں جائیں گے پس جنت میں جانے والا تو وہ قاضی ہے جس نے حق کو پہچانا اور پھر حق ہی کے مطابق فیصلہ کیا اور

جس نے حق کو پہچانا مگر اپنے فیصلے میں حق سے تجاوز کیا وہ دوزخ میں جائے گا اور جس نے جہالت کی وجہ سے حق کو نہیں پہچانا اور پھر بھی لوگوں کے تنازعات میں (غلط) فیصلہ کیا وہ بھی دوزخ میں ہے۔

(۳) ایک اور حدیث میں ہے حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان قاضی مقرر کیا گیا (گویا) اس کو بغیر چھری کے ذبح کیا گیا (ابوداؤد ترمذی)

ان تمام احادیث سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ قاضی اپنے فیصلوں میں خودمختار نہیں ہوتا بلکہ وہ شریعت کے قواعد کا پابند ہوتا ہے اگر اس نے پابندی نہیں کی اور غلط فیصلے کیے تو دوزخ میں جائے گا اگر حقیقت یہی ہے اور یقینا یہی ہے تو غامدی صاحب کا یہ کہنا غلط ہے کہ تمام معاملات قاضی کی صواب دید پر ہیں وہ کسی کی گواہی قبول کرے یا نہ کرے وہ اس ضابطہ کی پابندی بھی نہ کرے کہ گواہی دینے والا مرد ہے یا عورت ہے پھر ایک عورت ہے یا دو ہیں ایک مرد ہے یا دس ہیں خود قاضی کا مطمئن ہونا کافی ہے گویا غامدی کے نزدیک شریعت کا کوئی ضابطہ اور قانون نہیں ہے پوری شریعت قاضی کے تابع ہے قاضی شریعت کا تابع نہیں ہے اس طرح غامدی صاحب نے اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول محمد رسول اللہ کی شریعت کو قاضیوں اور ججوں کے حوالہ کر دیا ہے کہ وہ جو کچھ کریں ان کی مرضی

ہے اوپر منشور کی ظاہری عبارت یہی ہے جو سب کے سامنے ہے غامدی کے دل کو ہم نہیں جانتے کہ اس کے دل میں کیا ہے عبارت کی روشنی میں تو غامدی شریعت سے منحرف اور پکا گمراہ ہے فقہاء کرام نے تعزیرات میں بے شک قاضیوں کی صواب دید کی بات کی ہے لیکن غامدی صاحب تو تعزیرات کے بالکل منکر ہیں وہ برہان میں لکھتے ہیں:

''یہ ایک بے معنی بات ہے کہ جرم کے ثبوت اور عدم ثبوت کے درمیان کوئی حالت مانی جائے اور پھر یہ کہا جائے کہ جرم اگر اتنا ثابت ہو تو حد اور اتنا ثابت ہو تو اس پر تعزیر جاری کی جائے گی عقل سلیم پوری شدت کے ساتھ اسے رد کرتی ہے''۔ (برہان ص:۳۴)

اسی دفعہ کی اگلی عبارت میں غامدی نے ایک نیا گمراہ کن شوشہ چھوڑا کہ مرد اور عورت کی گواہی میں تعداد کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے ایک مرد اور دو عورتوں کو مساوی بنانا اور عورت کی گواہی مردوں کے مقابلے میں نصف بتانا یہ ہمارے فقہاء کی غلطی ہے چنانچہ ان کی کتاب برہان میں اس کی وضاحت ہے وہ پہلے سورت بقرہ کی اس آیت کو ذکر کرتے ہیں جس میں مرد اور عورت کی گواہی میں فرق ہے اور پھر اس آیت میں تحریف اور باطل تاویل کرتے ہیں آیت یہ ہے:

{واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى} (سورة بقره: ۲۸۲)

ترجمہ: اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تا کہ اگر بھول جائے ایک (عورت) ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو دوسری''۔

شیخ الہند رحمہ اللہ ترجمہ کے بعد اس آیت کی مختصر تفسیر میں اس طرح فرماتے ہیں اور تم کو چاہیے کہ اس معاملہ پر کم سے کم دو گواہ مردوں میں سے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں اور گواہ قابل پسند یعنی لائق اعتبار اور اعتماد ہوں

(تفسیر عثمانی ص:۶۱)

قرآن عظیم کی یہ واضح آیت ہے جس میں مرد اور عورت کی گواہی کا معیار بیان ہوا ہے تمام مفسرین نے اس کی تفسیر میں کوئی شک نہیں کیا اور نہ اس میں شقیں بنا کر اس فرق کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے نہ محدثین نے مردوں اور عورتوں کی گواہی کے اس فرق کا انکار کیا ہے اور نہ فقہاء کرام نے شہادت کے اس نصاب پر کلام کیا ہے آخر میں غامدی صاحب تشریف لائے تو اس نے مغرب اور یورپ کو خوش کرنے کے لیے اس واضح آیات میں اگر چہ مگر چہ اور ایں چنیں و آنچناں شروع

کر دیا اور باطل تاویلیں اختیار کیں اور فقہاء کرام پر ناسمجھی کا فتویٰ لگا دیا اور کہا کہ اس آیت سے فقہاء کا استدلال ہمارے نزدیک دو وجوہ سے محل نظر ہے ایک یہ کہ واقعاتی شہادت کے ساتھ اس آیت کا سرے سے کوئی تعلق ہی نہیں یہ دستاویزی شہادت سے متعلق ہے (برھان: ص:۲۹)

تبصرہ: سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ غامدی کون ہے اور اس کے ''نزدیک'' کیا ہے جو لکھتا ہے کہ ''ہمارے نزدیک'' بھائی غامدی صاحب آپ اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ آپ کی الگ فقہ ہو اور آپ کی تمام امت کے برعکس کوئی قابل احترام رائے ہو علماء اور فقہاء کی تفسیر و تحقیق کی اتباع کرو اس پر چلو بھلائی اسی میں ہے کیونکہ فقہاء کرام کی تحقیق قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے غلطی آپ کی ہے فقہاء کو غلط نہ کہو شاعر نے کہا

چوں بشنوی سخنِ اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نۂ دلبرا خطاء ایں جا است

یعنی جب اہل اللہ علماء وفقہاء کی بات سنو تو یہ نہ کہو کہ یہ غلط ہے میرے پیارے بزرگوں کی بات نہ سمجھنا ہی آپ کی بڑی غلطی ہے، غامدی صاحب نے یہاں آیت میں یہ تاویل کی ہے کہ اس شہادت کا تعلق دستاویزی شہادت سے ہے میں ان سے پوچھتا ہوں کہ دستاویزی شہادت ہو یا واقعاتی شہادت کی آپ کی

منطق ہو آخر کار مقدمہ تو عدالت ہی کے پاس جائے گا وہ وہاں جانچ پڑتال کرے گی کہ نصاب شہادت قرآن وحدیث کے مطابق مکمل ہے یا مکمل نہیں ہے جب معاملہ ایسا ہے تو غامدی صاحب الگ الگ شقیں بنانے کی کوشش کیوں کر رہا ہے اور اگر چہ مگر چہ اور ایں چنیں اور آں چناں سے کام کیوں لے رہا ہے غامدی صاحب دوسری تاویل کر کے لکھتے ہیں کہ آیت کے موقع ومحل اور اسلوب بیان میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ اسے قانون وعدالت سے متعلق قرار دیا جائے اس میں عدالت کو مخاطب کر کے یہ بات نہیں کہی گئی کہ اس طرح کا کوئی مقدمہ اگر پیش کیا جائے تو مدعی سے اس نصاب کے مطابق گواہ طلب کرو۔

(برہان ص: ۳۰)

تبصرہ: میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ اس آیت میں قرآن مجید کے مخاطب اگر عدالت نہیں ہے تو آپ ہمیں بتائیں وہ کون لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ شرعی قضاوت کا حکم دے رہا ہے اور پھر نصاب شہادت کی رہنمائی فرما رہا ہے کیا غامدی صاحب نے اس سے یہ سمجھ لیا ہے کہ یہ ان کے دفتر اور آفس کا معاملہ ہے؟ غور کرو یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس کا تعلق خالص عدالت سے ہے گواہوں کی بات ہے قاضیوں کو حکم ہے اور پھر نصاب شہادت کے پورے ہونے کی بات

ہے اگر مردوں سے یہ نصاب پورا نہیں ہوتا ہے تو پھر دو عورتوں سے اس نصاب کو پورا کیا گیا ہے پھر اس کی وجہ بھی بتلائی گئی ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے مساوی کیوں ہیں اس میں عورت کی تخلیقی کمزوری کیطرف اشارہ بھی کیا گیا ہے جس کی پوری تفصیل بخاری و مسلم کی اس حدیث میں موجود ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ناقصات عقل قرار دیا تو عورتوں میں سے ایک ہوشیار عورت کھڑی ہوگئی اور اس نے اس کی وجہ پوچھی تو آنحضرت نے فرمایا کہ کیا دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر نہیں ہے عورتوں نے کہا ہاں اسی طرح ہے تو آنحضرت نے فرمایا کہ یہ ان کی عقل کی کمزوری کی دلیل ہے میں جناب غامدی صاحب سے کہوں گا کہ خدا نہ بنو خدا کا بندہ بنو رسول نہ بنو رسول کا امتی بنو مجتہد نہ بنو مجتہد کا مقلد بنو دسیوں پریشانیوں سے نجات پالوگے زیادہ بلند پرواز نہ رکھو کہیں زیادہ بلندی سے گر نہ جاؤ۔

قدر لرجلک قبل الخطو موضعها

فمن علا زلقا عن غرة زلجا

اپنی مٹی پہ ہی چلنے کا سلیقہ سیکھو سنگ مرمر پہ چلوگے تو پھسل جاؤ گے

ثبوت زنا کے لیے چار گواہوں سے متعلق غامدی کا نظریہ

"حدود و تعزیرات" کے بڑے عنوان کے تحت دفعہ ۶ کے ضمن میں غامدی

صاحب ثبوت زنا کے لیے چار گواہ پیش کرنے کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اسی طرح زنا کے جرم میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر حال میں چار گواہ ہی طلب کیے جائیں اور وہ اس بات کی شہادت دیں کہ انہوں نے ملزم اور ملزمہ کو عین حالت مباشرت میں دیکھا ہے قرآن وحدیث کی رو سے یہ شرط صرف اس صورت میں ضروری ہے جبکہ مقدمہ الزام ہی کی بنا پر قائم ہوا ہو اور الزام ان پاک دامن شرفاء پر لگا یا جائے جن کی حیثیت عرفی ہر لحاظ سے مسلم ہو اور جن کے بارے میں کوئی شخص اس بات کا تصور بھی نہ کر سکتا ہو کہ وہ کبھی اس جرم کا ارتکاب کر سکتے ہیں (منشور ص:۱۸)

تبصرہ: اپنے منشور کے اس دفعہ میں غامدی صاحب نے جرم زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کے مہیا کرنے کو غیر ضروری قرار دیا ہے گویا ان کے نزدیک جرم زنا بھی عام جرائم کی طرح ہے جس میں دو گواہ کافی ہیں یہی غامدی کا ذہنی نظریہ ہے لیکن قرآن پاک میں چار گواہوں کی تصریح موجود ہے اس لیے غامدی صاحب اس سے راہ فرار اختیار کرنے کے لیے عجیب منطق بنا کر کئی صورتیں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ چار گواہ اس وقت ضروری ہے جبکہ مقدمہ الزام کی صورت میں ہو یعنی جب الزام کی صورت نہ ہو تو پھر زنا کے جرم کے ثابت کرنے کے لیے دو گواہ کافی ہیں نیز یہ الزام شرفاء اور پاکدامن لوگوں پر لگا ہوا گر قحبہ فاحشہ

عورت ہو یا پاک دامن لوگ نہ ہوں تو پھر بھی چار گواہوں کی ضرورت نہیں ہے
غامدی نے اپنی کتاب برھان میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی شریف آدمی سے زنا
کی لغزش ہوجائے تو اسلام یہی چاہتا ہے کہ اس پر پردہ ڈالا جائے اور معاشرہ
میں اس کو رسوا نہ کیا جائے مطلب یہ ہوا کہ دو گواہوں کا قصہ بھی ختم ہوگیا۔
کئی فرضی صورتوں کے بعد غامدی صاحب برہان میں بطور خلاصہ یوں لکھتا ہے:
''ان دو مستثنیات کے سوا اسلامی شریعت ثبوت جرم کے لیے عدالت کو ہرگز کسی
خاص طریقے کا پابند نہیں کرتی، لہذا حدود کے جرائم ہوں یا ان کے علاوہ کسی جرم
کی شہادت ہو، ہمارے نزدیک یہ قاضی کی صواب دید پر ہے کہ وہ کس کی گواہی
قبول کرتا ہے اور کس کی گواہی قبول نہیں کرتا ہے اس میں عورت اور مرد کی تخصیص
نہیں ہے اس عبارت کے بعد غامدی صاحب نے برہان میں وہی لمبی عبارت
لکھدی ہے جو اس سے پہلے منشور کے دفعہ ۵ کے ضمن میں ہم نے نقل کردی ہے
یہاں برہان میں غامدی نے یہ نئے گل کھلائے کہ یہی معاملہ غیر مسلموں کی گواہی
کا بھی ہے یعنی معاملہ قاضی کی صواب دید پر ہے حد زنا میں وہ چاہے مرد کی گواہی
قبول کرے چاہے عورت کی گواہی قبول کرے چاہے کافر کی گواہی قبول کرے
جناب غامدی صاحب نے گواہوں کی صورتوں کو اتنا الجھا دیا ہے کہ سننے والا سمجھنے
سے قاصر ہے اس میں اتنے اگر چہ مگر چہ اور ایں چنیں آں چناں اور اتنے چوں

وچرا سے کام لیا گیا ہے کہ دماغ گھوم جاتے ہیں اس کی مثال ایک منطقی کے ایک قصہ کی طرح ہے قصہ بطور لطیفہ ملاحظہ ہو۔

ایک منطقی عالم کی حکایت: ایک منطقی امام مسجد ایک گاؤں میں رہتا تھا بیچارہ فقہ کے مسائل سے ناواقف تھا گاؤں میں ایک کنواں تھا اس میں ایک دفعہ ایک چوہا گر کر مر گیا گاؤں کے لوگوں نے ان سے مسئلہ پوچھا کہ مولوی صاحب! بتادو کنوئیں میں چوہا گرا ہے کنوئیں سے کتنے ڈول پانی نکال دیں بیچارے نے فقہ پڑھا نہیں تھا منطق کا ماہر تھا تو کہنے لگا چوہے کے گرنے کی کئی صورتیں ہیں یا یہ چوہا چل کر کنوئیں میں گرا ہوگا یا دوڑتا ہوا گرا ہوگا خود دوڑ کر آیا ہوگا، یا کسی نے بھگایا ہوگا ڈر کی حالت میں گرا ہوگا یا اطمینان سے گرا ہوگا پھر گرنے کے وقت اس نے چھلانگ لگائی ہوگی یا بغیر چھلانگ کے گرا ہوگا تم لوگ بتاؤ کہ گرنے کی کونسی صورت تھی کیونکہ ہر صورت کے لیے الگ الگ مسئلہ ہے اور الگ الگ ڈول ہیں اور الگ الگ تعداد ہے لوگوں نے کہا ہم تو ان صورتوں کو نہیں جانتے کہ چوہا کس صورت میں گرا تھا منطقی نے کہا پھر جاؤ میں بھی نہیں جانتا کہ کس صورت پر فتویٰ دیدوں پہلے صورت متعین کرو پھر فتویٰ لے لو غامدی صاحب نے شریعت مقدسہ کے اجماعی مسائل میں اسی منطقی امام کی طرح صورتیں بنا بنا کر تشکیک پیدا کر دی اور پھر اپنے غلط راستے کی طرف راہ فرار اختیار کی چنانچہ ہر

جگہ وہ شقیں بنا بنا کر مخاطب کو الجھن میں ڈال دیتا ہے ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ شریعت ہے جو منقول راستے سے آئی ہے اس میں غامدی صاحب کی عقلیت اور عقلی گھوڑے دوڑانے کی گنجائش نہیں ہے۔

عمدہ نکتہ

غلط راستے پر چل پڑنے اور گمراہ ہو جانے اور صحیح راستے پر قائم رہنے کی بنیادی وجہ اور فرق یہ ہے کہ مثلاً ایک صحیح عالم اور فقیہ جب احادیث اور روایات میں تضاد یا تعارض دیکھتا ہے تو وہ صحیح محمل پر اس کو حمل کرنے کی کوشش کرتا ہے کبھی ترجیح دیتا ہے کبھی توجیہ کرتا ہے لیکن تمام روایات کا احترام رکھتا ہے کہ نبی اکرم کی طرف منسوب کلام ہے انکار نہ ہو جائے یہ سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے اور ہدایت پر استقامت کا بہترین راستہ ہے فقہاء کرام کا اختلاف اور مذاہب اربعہ کا وجود اسی وجہ سے ہے اس کے برعکس مثال کے طور پر ایک آزاد منش محقق اسکالر دانشور پروفیسر اور تجدد پسند شخص کے سامنے جب تضادات اور اختلافات پر مبنی روایات آتی ہیں تو وہ فوراً فیصلہ کر دیتا ہے کہ یہ نبی کا کلام نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ نبی کے کلام میں تو تعارض نہیں ہو سکتا ہے لہذا وہ ان روایات کو غلط کہہ کر راویان حدیث پر پورا نزلہ گرا دیتا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ یہ ان غلط لوگوں کی غلط

روایات ہیں لہذا اس سے ماخوذ مسئلہ بھی غلط ہے اس طرح وہ شخص سمجھتا ہے کہ میں نے تحقیق کر کے حدیث وسنت کی خدمت کی لیکن حقیقت میں وہ گمراہی کے گہرے کڈھے میں جا گرتا ہے غامدی صاحب اور ان کے استاد امین اصلاحی صاحب اور حمید الدین فراہی صاحب اور غامدی صاحب کے شاگردوں کے ساتھ یہی کچھ ہوا ہے پھر بدقسمتی سے یہ پروفیسر قسم کے لوگ غضب کے ذہین ہوتے ہیں اور غضب کے اصحاب قلم ہوتے ہیں ان کے دل ودماغ میں دنگل مشتی اور میدان کی کشتی کا طبعی شوق ہوتا ہے یہ ذہنی طور پر متکبر بھی ہوتے ہیں اور خود پنداری میں یہ دوسروں کو حقیر بھی سمجھتے ہیں لہذا یہ پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے ہی بڑھتے چلے جاتے ہیں پھر اجماع امت کا انکار کر جاتے ہیں شریعت کے مسلمات کو ٹھکراتے ہیں فقہاء اور مجتہدین کو غلطی پر تصور کرتے ہیں مفسرین اور مدارس کے علماء کو نابلد اور نا آشنائے علم گردانتے ہیں آج کل یہی معاملہ غامدی صاحب کے ساتھ ہوگیا ہے میں حیران ہوں کہ اس اللہ کے بندے نے شریعت کے تمام احکام کو اپنی عقل نارسا پر تولنے کی کتنی بڑی کوشش کی پھر اتنی غلطیاں کیں جن کا گننا دشوار ہے تو کس کس کا جواب علماء دیں گے کسی نے سچ کہا ہے

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

یعنی جسم سارے کا سارا زخمی ہے ہم کہاں کہاں روئی رکھیں گے۔

اب جرم زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں پر امت کا اجماع ہے اور غامدی صاحب اگر چہ مگر چہ اور ایں چنیں اور آنچناں کر کے اس میں شک ڈالنے کی کوشش میں زور قلم لگا کر صفحات کے صفحات سیاہ کیے جا رہے ہیں، ہم اہل مدارس زیادہ سے زیادہ ایک فقیہ کے فتویٰ تک پہنچ جاتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں ایک روایت حدیث تک پہنچ جاتے ہیں تو خوش ہو جاتے ہیں لیکن ادھر سے غامدی صاحب جیسے لوگ بغاوت کے جھنڈوں کے ساتھ خروج کر کے آجاتے ہیں اور اعلان کر جاتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے صرف قرآن صحیح ہے جس طرح غامدی صاحب مسلسل یہی راگ الاپتا ہے کہ اسلوب قرآن کا یہ تقاضا ہے طرز کلام کا یہ تقاضا ہے فلاں شاعر کا یہ شعر ہے فلاں ادیب کا یہ ادب ہے اور عقل سلیم کا یہ فیصلہ ہے اور فطرت انسانی کا یہ تقاضا ہے حمید الدین فراہی نے یہ کہا ہے اور امام امین احسن اصلاحی نے یہ مطلب بیان کیا ہے رجم اور سنگساری کی سزا کے ساتھ ہمارے فقہاء نے یہ طرفہ معاملہ کیا ہے پھر کہتا ہے برسوں کے مطالعہ اور فکر و تدبر کے بعد ہم اس کہنے پر مجبور ہیں کہ اپنے موقف کی تائید میں انہوں نے (یعنی فقہاء نے) جتنے دلائل پیش کیے ہیں وہ سب منطقی مغالطوں پر مبنی اور بے حد کمزور ہیں اسے پیش کرنے والے سلف وخلف کے اکابر ہی کیوں نہ ہوں طالب حق کو پوری قوت کے ساتھ اسے رد کر دینا چاہیے پھر کہتا ہے ہماری رائے میں

بہتر یہی ہے کہ ان فقہاء کے بعض دوسرے ارشادات پر تنقید سے پہلے اس اصول کی غلطی واضح کردی جائے کیونکہ اصل کی تردید کے بعد فروع خود بخود بے معنی ہوجائیں گی (برہان ص: ۳۷ کا خلاصہ) پھر سنگساری اور رجم کی سزا سے انکار سے متعلق غامدی صاحب لکھتے ہیں: ''تیسری بات ان روایات سے یہ سامنے آتی ہے کہ سنگ ساری جیسی شدید سزا کا قانون بیان کرنے کے لیے جو اسلوب ان میں اختیار کیا گیا ہے وہ نہایت مبہم اور بے حد غیر واضح ہے پھر کچھ آگے لکھتا ہے یہ ہے ان روایات کی حقیقت جن سے قرآن کے حکم میں تبدیلی کی جاتی ہے اور شادی شدہ زانی کے لیے رجم کا قانون اخذ کیا جاتا ہے ان کے اس ابہام اور تناقض کو دیکھئے اور پھر فیصلہ کیجئے کہ کسی انسان کے لیے سنگ ساری کی سزا تو بڑی بات ہے اگر کسی مچھر کو ذبح کردینے کا قانون بھی اس طریقے سے بیان کیا جائے تو کوئی عاقل کیا اسے قبول کرسکتا ہے؟ (برھان ص: ۶۲ و ۶۳ کا خلاصہ)

غامدی صاحب برھان ص: ۳۷ پر لکھتے ہیں علم واستدلال نہ کسی گروہ کی میراث ہے نہ کسی دور کا خاصہ، اگلوں کو اگر ایک اصول بنانے کا حق تھا تو ہمیں دلائل کے ساتھ اس کے ابطال کا بھی حق ہے تنقید سے بالاتر اگر کوئی چیز ہے تو وہ قرآن وسنت ہیں اور ان کی تفسیر وتشریح کا حق ہر اس شخص کو حاصل ہے جو اپنے اندر اس

کی اہلیت پیدا کرلے جو لوگ ہم سے پہلے آئے وہ بھی انسان تھے اور ہم بھی انسان ہیں۔ (برھان:ص:۴۷)

تبصرہ: غامدی صاحب کا یہی قلبی استخفاف اور فقہاء سے قلبی بغض جو اس نے اکابر امت کے بارے میں اختیار کیا ہے اور اپنے لیے نئے نئے راستوں کو نکالا ہے انہیں چیزوں نے ہمیں مجبور کیا اور ہمارے قلم میں شدت پیدا ہوگئی تو بقول غامدی صاحب میں بھی کہوں گا۔

؎ چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

اوپر غامدی صاحب کی جو عبارات میں نے نقل کی ہیں یہ غامدی صاحب کے دل کی آواز ہے اس میں وہ کسی غلطی کا شکار نہیں ہے بلکہ یہ ان کی کج راہی اور گمراہی کا ایک حصہ ہے جس تک وہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پہنچنا چاہتا ہے۔

ثبوت زنا کے لیے قرآن وحدیث سے چار گواہوں کا ثبوت

جرم زنا کے ثبوت کے لیے قرآن مجید میں تین آیات ایسی ہیں جن میں چار گواہوں کے پیش کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے پہلی آیت سورۃ النساء کی آیت ۱۵ ہے جو اس طرح ہے {وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَةَ مِنۡ نِّسَآئِكُمۡ فَاسۡتَشۡهِدُوۡا عَلَيۡهِنَّ اَرۡبَعَةً مِّنۡكُمۡ فَاِنۡ شَهِدُوۡا فَاَمۡسِكُوۡهُنَّ فِى الۡبُيُوۡتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ

الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰہُ لَھُنَّ سَبِیْلًا﴾ (سورۃ النساء:۱۵)

ترجمہ: اور جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے پھر اگر وہ گواہی دیویں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لیوے ان کو موت یا مقرر کر دے اللہ ان کے لیے کوئی راستہ۔

تفسیر معارف القرآن

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ لکھتے ہیں، ان آیات میں ایسے مردوں اور عورتوں کے بارے میں سزا تجویز کی گئی ہے جن سے فاحشہ یعنی زنا کا صدور ہو جائے۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ جن عورتوں سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے تو اس کے ثبوت کے لیے چار گواہ مرد طلب کئے جائیں، یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے ثبوتِ زنا کے لیے وہ چار گواہ طلب کریں، جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں، اور گواہی بھی مردوں کی ضروری ہے، اس سلسلہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں،

زنا کے گواہوں میں شریعت نے دو طرح سے سختی کی ہے، چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے جس سے عزت اور عفت مجروح ہوتی ہے، اور خاندانوں کے ننگ و عار کا

مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اولاً تو یہ شرط لگائی کہ مرد ہی گواہ ہوں، عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، ثانیاً چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا، ظاہر ہے کہ یہ شرط بہت سخت ہے، جس کا وجود میں آنا شاذ و نادر ہی ہوسکتا ہے، یہ سختی اس لیے اختیار کی گئی کہ عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بیوی بہن ذاتی پرخاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں، یا دوسرے بدخواہ لوگ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کرسکیں، کیونکہ اگر چار افراد سے کم لوگ زنا کی گواہی دیں تو ان کی گواہی نامعتبر ہے، ایسی صورت میں مدعی اور گواہ سب جھوٹے قرار دیئے جاتے ہیں، اور ایک مسلمان پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر ''حد قذف'' جاری کردی جاتی ہے، اسی لیے سورۃ نور میں واضح طور پر ارشاد فرمایا {لَوْ لَا جَاءُ وا علیہ باربعۃ شُھَدَاء}

جرم زنا کے ثبوت کے لیے قرآن مجید میں چار گواہوں کا حکم سورۃ نور کی آیت ۱۳ میں بھی دیا گیا ہے آیت اس طرح ہے {لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْہِ بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّھَدَآءِ فَاُولٰٓئِکَ عِنْدَ اللّٰہِ ھُمُ الْکَاذِبُوْنَ} (نور: ۱۳)

ترجمہ: کیوں نہ لائے وہ اس بات پر چار گواہ پھر جب نہ لائے گواہ تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں

تفسیر عثمانی کا حوالہ

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں یعنی اللہ کے حکم اور اس کی شریعت کے موافق وہ لوگ جھوٹے قرار دیئے گئے ہیں جو کسی پر بدکاری کی تہمت لگا کر چار گواہ پیش نہ کر سکیں اور بدون کافی ثبوت ایسی سنگین بات زبان سے بکتے پھریں (تفسیر عثمانی:۴٦٨)

تفسیر مظہری کا حوالہ

اس آیت کی تفسیر میں قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ تفسیر مظہری میں اس طرح بیان فرماتے ہیں عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ: علماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زنا کے ثبوت کے لیے چار مردوں کی شہادت ضروری ہے عورتوں کی شہادت سے ثبوت زنا نہیں ہوتا اور چار مردوں سے کم کی شہادت بھی کافی نہیں ہے اللہ نے فرمایا: **فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ:** عورتوں کے زنا پر اپنے میں سے (یعنی مسلمانوں میں سے) چار مردوں کی شہادت لو، دوسری آیت میں ہے: **لَوْ لَا جَآءُوْا عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ:** انہوں نے اس بات پر چار مرد گواہ کیوں پیش نہیں کیے۔

مسئلہ: اگر چار مردوں نے الگ الگ (متفرق اوقات یا متعدد مجالس میں) شہادت دی تو امام شافعی کے نزدیک ثبوت زنا ہو جائے گا اور حد زنا جاری کر دی

جائے گی، دوسرے تینوں اماموں کے نزدیک زنا کا ثبوت نہ ہوگا اور شاہدوں کو تہمت زنا لگانے والا قرار دیا جائے گا کیونکہ ابتداء میں ایک گواہ یا دو گواہ یا تین گواہ پیش ہوئے تھے اس وقت نصاب شہادت پورا نہ تھا اور شہادت واجب الرد ہوگئی اور جب قلت تعداد کی وجہ سے ان کی شہادت رد کردی گئی تو دوبارہ صرف اس وجہ سے کہ چوتھا شاہد بھی آ گیا اور اس نے شہادت دیدی ردشدہ شہادتوں کو قبول نہیں کیا جاسکتا پہلی شہادتوں کا اعتبار تو ختم ہوگیا اگر گواہ آئے تو الگ الگ مگر پھر شہادت دینے کے وقت سب جمع ہوگئے اور سب نے ساتھ شہادت دی تو امام احمد کے نزدیک ایسی شہادت قبول کرلی جائے گی لیکن امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک چار گواہوں کا ساتھ آنا اور ساتھ ساتھ شہادت دینا ضروری ہے اس لیے الگ الگ آنے والے لوگوں کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی گو شہادت کے وقت سب کا اجتماع ہوجائے (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۴۹ و ۲۵۰)

قرآن مجید میں سورت نساء کی آیت ۱۵ سورت نور کی آیت چار اور چھ اور آٹھ اور تیرہ میں صراحت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جرم زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کے پیش کرنے کا حکم دیا ہے اور غامدی صاحب کہتے ہیں کہ زنا کے جرم میں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر حال میں چار گواہ ہی طلب کیے جائیں جیسا کہ انہوں نے اپنے منشور کے ص: ۱۸ا پر لکھا ہے، بہرحال ان پانچ آیتوں کی تفسیر میں مفسرین

نے چار ہی گواہوں کی صراحت اور تفصیل بیان کی ہے۔

تفسیر مظہری تفسیر معارف القرآن اور تفسیر عثمانی کی تصریحات کا مطلب یہ ہے کہ سارے مفسرین نے اسی طرح تفسیر فرمائی ہے فقہائے کرام میں بھی کسی کا اختلاف نہیں بلکہ چار گواہوں کی پیشی پر سب کا اتفاق ہے صرف جاوید احمد غامدی نے کسی دلیل کے بغیر خواہ مخواہ قرآن وحدیث اور مفسرین وفقہاء کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے غامدی صاحب نے ان آیات میں مقدمہ زنا کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ایک مقدمہ الزام اور دوسرا غیر الزام ۔ میں غامدی صاحب سے پوچھتا ہوں کہ مفسرین میں سے کسی نے الزام اور غیر الزام کی بات نہیں کہی ہے قرآن وحدیث میں بھی اس کی طرف اشارہ نہیں ہے پھر آپ کیوں ''اگر چہ مگر چہ اور ایں چنیں وآں چناں'' کر کے مختلف صورتیں بناتے ہو؟ اور اسلام کے اجماعی عقیدے کے خلاف منشور میں دفعہ بنا کر درج کرتے ہو؟

پھر منشور میں جو کچھ لکھتے ہو اپنی کتاب برھان ۲۶ میں اس کے برعکس لکھتے ہو برھان کی عبارت بھی ایک ہی صفحہ میں آپس میں متضاد ہے وہاں دیکھا جا سکتا ہے اتنی محنت کر کے ایک غلط مقصد تک پہنچنے کی ضرورت کیا تھی جمہور امت کے راستے پر چل پڑتے تو کیا آفت آتی؟

زنا پر احادیث سے چار گواہوں کا ثبوت

ثبوت زنا کے لیے چار گواہوں کے مہیا کرنے کی واضح اور قطعی حدیث امام مسلم رحمہ اللہ نے کتاب اللعان میں ذکر کیا ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

وعن ابی هريرة رضی الله عنه قال: قال سعد بن عبادة لو وجدت مع اهلی رجلاً لم امسه حتی أتی باربعة شهداء؟ قال رسول الله صلی الله عليه وسلم نعم الخ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے) کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرتے ہوئے کسی شخص کو پالوں تو کیا میں اسے ہاتھ لگائے بغیر چار گواہوں کو ڈھونڈ کر لاؤں گا؟ آنحضرت نے فرمایا ہاں چار گواہ لانے ہونگے الخ (مشکوۃ ص:۲۸۶)

زنا کے اقرار کی صورت میں آنحضرت نے چار گواہوں کے قائمقام چار دفعہ اقرار کو لازم قرار دیا چنانچہ حضرت ماعز وغیرہ سے چار دفعہ اقرار کے بعد فیصلہ فرمایا مشکوۃ کی کتاب الحدود میں سات واقعات مذکور ہیں جس میں ثبوت جرم زنا کے لیے چار گواہوں کا ثبوت ملتا ہے پھر آنحضرت نے اس پر رجم کا حکم نافذ کیا، غامدی صاحب بہت بڑا بدبخت آدمی ہے جو رسول کے فیصلوں کا انکار کرتا ہے اور احادیث کو رد کرتا ہے

زنا کے چار گواہوں کے انکار سے غامدی کا مقصد کیا ہے

دراصل قصہ یہ ہے کہ غامدی صاحب مطلق زنا کے بارے میں کوڑوں کی سزا پر زور دیتے ہیں اور رجم کا انکار کرتے ہیں اس نے کئی کئی تحریفات کیں اور کئی احادیث کا انکار کیا اور اکابر امت کے رجم کے فیصلوں سے راہ فرار اختیار کیا ہے بخاری و مسلم کی صحیح احادیث کو غلط اور کمزور قرار دیا اور کہا کہ اس کی بنیاد پر تو ایک مچھر کو بھی ذبح نہیں کیا جاسکتا سنگ ساری تو بڑی چیز ہے چونکہ سنگ ساری کی سزا کے لیے چار گواہوں کی گواہی ضروری ہے تو غامدی صاحب اسلام سے چار گواہوں کی گواہی کو غائب کرنا چاہتا ہے تاکہ نہ چار گواہ ہوں اور نہ رجم کی سزا ہو دوسری بات یہ ہے کہ غامدی صاحب اسلام میں قتل اور فساد فی الارض کے سوا کسی چیز میں موت کی سزا کے قائل نہیں ہے اس لیے اس نے چار گواہوں کا انکار کیا تاکہ اس کی وجہ سے رجم اور قتل کا ثبوت نہ ہوجائے اور ان کے مقرر کردہ مذکورہ مدعیٰ کے علاوہ کہیں سے موت کی سزا ثابت نہ ہوجائے ان سے اگر پوچھا جائے کہ مرتکب زنا کی یہ قسمیں آپ نے کہاں سے نکالی ہیں کہ الزام شرفاء پر لگا ہو اور جن کی حیثیت عرفی ہر لحاظ سے مسلم ہو اور مقدمہ الزام کا ہو، خدا کا خوف کرو امت کی شاہراہ اعظم کو چھوڑ کر بھٹکے ہوئے پھرنے سے یہ بہتر ہے کہ ان کے ساتھ رہو یا خاموش رہو موشگافیوں میں پڑکر کج بحثی میں خیر نہیں ہے۔

قید خانوں میں قید و بند کی بدترین سزا کو ختم کر دیا جائے

''حدود و تعزیرات'' کے بڑے عنوان کے تحت اپنے منشور کے دفعہ ۸ کے ضمن میں ص:۱۹ پر غامدی صاحب لکھتے ہیں ان جرائم کے علاوہ جن کی سزا خود قرآن مجید نے بیان فرمائی ہے، دوسرے تمام جرائم میں بھی سزا ''جسمانی تادیب، مالی تاوان، جلاوطنی اور مجرم کے گھر میں اس کی نظر بندی ہی کی صورت میں دی جائے اور قید کی سزا جیسی بدترین چیز کو اس ملک کے ضابطہ حدود و تعزیرات میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا جائے (منشور:۱۹)

تبصرہ: غامدی صاحب کے سینکڑوں منتشر نظریات ہیں جو مخالف عقل و نقل ہیں میں ان سب کا تعاقب نہیں کر سکتا چند پر تبصرہ کرنا مقصود ہے انہیں میں سے ان کا یہ نظریہ ہے کہ قید کی سزا بدترین سزا ہے جو جیلوں میں دی جاتی ہے قید و بند کی یہ سزا گھروں میں نظر بندی کی صورت میں ہونی چاہیے، میں کہتا ہوں کہ قید و بند کی سزا کے شکار تو سب سے زیادہ اہل اسلام اہل حق اور مجاہدین ہیں کیا اچھا ہوگا کہ غامدی صاحب کی اس تجویز پر چاردانگ عالم میں عمل ہو جائے لیکن یہ تجویز عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی خلاف ہے عقل کے خلاف اس لیے ہے کہ ملک کے ہر شہر میں سینکڑوں اور ہزاروں قیدی ہیں جو جیلوں میں پڑے

ہوئے ہیں ان کو گھروں میں نظر بند کر کے کیسے سنبھالا جا سکتا ہے ہر گھر پر الگ سیکورٹی کا انتظام کیا کوئی آسان کام ہے؟ غامدی صاحب کا محبوب پرویز مشرف صرف ایک آدمی ہے جو وطن عزیز پاکستان میں اپنے گھر پر نظر بند ہے ذرا جا کر حکومت سے پوچھ لو کہ ان کے انتظامات میں حکومت کو کن مشکلات کا سامنا ہے پھر ہر شہر میں ہر قیدی کا گھر تو نہیں ہوتا ہے ان کے لیے گھر کہاں سے لائیں گے پھر افغانستان میں ہزاروں غیر ملکی قیدی جیلوں میں پڑے ہیں ان کے لیے گھر کہاں سے لائیں گے اسی طرح سعودی عرب امریکہ اسرائیل برطانیہ اور ہندوستان میں ہزاروں غیر ملکی قیدی ہیں امریکہ میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی بے گناہ جیل میں پڑی ہے ان کے لیے گھر کہاں سے لاؤ گے کہ ان کے گھر کو سب جیل قرار دیکر بند کر دیا جائے غامدی صاحب نے جنون میں ایک بات کہدی مگر افسوس اس پر ہے کہ اس کو اپنے منشور کا ایک دفعہ بنا دیا اب تک یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ غامدی صاحب کا اس دفعہ کے لکھنے سے مقصد کیا ہے شاید وہ اسلامی ادوار میں قید و بند کے نظام سے انکار کرنا چاہتا ہے کہ قید خانے بنانا اور اس میں قیدیوں کو رکھنا یہ اسلام میں ثابت نہیں، تو میں اس کے ثبوت کے لیے چند واقعات پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ جیل خانہ جات کا نظام عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہو جائے اگرچہ آج کل کی جیلوں کے نظام سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔

عبداللہ محمد بن فرج مالکی قرطبی رحمہ اللہ کی کتاب ''اقضیۃ الرسول ﷺ''
ایک عمدہ اور جامع کتاب ہے جو مصر میں چھپ گئی ہے اس کتاب میں نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر خلفاء راشدین کے دور میں قیدیوں پر بحث کی گئی ہے
آنحضرت کے دور میں تو باقاعدہ جیل نہیں تھی نہ صدیق اکبر کے دور میں مستقل
قید خانہ تھا البتہ قیدی تھے پھر عمر فاروق اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے
ادوار میں باقاعدہ قید خانے بنے ہیں اور ان جیلوں میں مجرموں کو قید کر کے رکھا
گیا ہے تفصیل ملاحظہ ہو:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل

اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا حضرت ابوبکر
رضی اللہ عنہ نے کسی کو قید کیا ہے یا نہیں۔ چنانچہ علماء میں سے بعض نے ذکر کیا ہے
کہ ان دونوں کا کوئی قید خانہ نہ تھا۔ اور نہ دونوں نے کسی کو قید کیا اور بعض نے ذکر
کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں (ایک شخص کو) خون کی تہمت
میں قید کیا ہے اس کو عبدالرزاق اور نسائی نے اپنی اپنی کتاب میں اس طریق
سے روایت کیا ہے کہ بہز بن حکیم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں اور ان کے
باپ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں اور ابوداؤد نے ان سے اپنی کتاب

میں اس طرح ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں میری قوم کے کچھ لوگوں کو قتل کے الزام میں قید کیا۔ نیز مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو کسی الزام میں ایک ساعت قید میں رکھا پھر اس کو چھوڑ دیا۔ اور احکام ابن زیاد میں فقیہ ابو صالح ایوب بن سلیمان سے یوں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قید کیا جس نے ایک غلام میں اپنا حصہ آزاد کر دیا تھا تو آپ نے اس پر غلام کی آزادی کو مکمل کرنا واجب ٹھہرایا۔ حدیث میں کہا ہے کہ یہاں تک کہ اس نے اپنی چند بکریاں فروخت کیں۔

اور ابن شعبان کی کتاب میں امام اوزاعی سے مروی ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو دانستہ قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک سو کوڑے لگوائے اور ایک سال کے لیے جلاوطن کر دیا۔ اور غلام کا قصاص نہیں لیا اور اسے حکم دیا کہ ایک غلام آزاد کر دے۔ اور ابن شعبان نے اپنی کتاب میں یہ کہا ہے کہ آپ نے کوڑے مارے اور قید کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت عمر کی طرف سے سزائے قید

ابن شعبان سے منقول ہے کہ یہ ایک ثابت شدہ امر ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ایک قید خانہ تھا اور انہوں نے شاعر ''حطیئہ'' کو هجو کے الزام میں قید کیا تھا۔ اور صبیغ کو اس جرم پر قید کیا کہ اس نے سورہ الذاریات اور سورة

المرسلات اور سورۃ النازعات وغیرہ کے متعلق سوال کیا تھا اور لوگوں کو تفقہ کا حکم دیا۔ اور اس کو بار بار پٹوایا اور عراق کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اور لکھ بھیجا کہ کوئی اس کے پاس نہ بیٹھے۔ محدث فرماتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس آتا تو خواہ ہم ایک سو آدمی بھی ہوتے تو منتشر ہو جاتے۔ پھر ابو موسیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ اس نے اب توبہ کر لی ہے اس پر حضرت عمرؓ کے حکم سے لوگوں کے ساتھ اس کے ملنے کی بندش توڑ دی گئی۔

حضرت عثمان اور حضرت علی وغیرہ کی طرف سے سزائے قید

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے ضابی بن حارث کو قید کیا وہ بنی تمیم کے چوروں اور خونریز لوگوں میں سے تھا یہاں تک کہ وہ قید ہی میں مر گیا۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں سزائے قید دی۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ میں قید کی سزائیں دیں۔ اور نیز دارم کے قید خانہ میں محمد بن حنفیہ کو قید کیا جب کہ انہوں نے ان کی بیعت سے انکار کر دیا۔ اور کتاب الخطابی میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں درج ہے کہ انہوں نے سزائے قید دی اور بانس کا ایک قید خانہ بنایا جس کا نام نافع رکھا۔ چوروں نے اس کو توڑ ڈالا تو مٹی کے ڈھیلوں سے ایک قید خانہ تعمیر کیا۔ اور

اس کا نام مخیس رکھا۔ پھر فرمایا:

اَلاَ تَرَانِیْ کَیِّسًا مُکَیِّسًا بَنَیْتُ بَعْدَ نَافِعٍ مُخَیِّسًا

حِصْنًا حَصِیْنًا وَّ اَمِیْرًا کَیِّسًا

ترجمہ: کیا تم مجھ کو دانا و زیرک نہیں دیکھتے میں نے قید خانہ نافع کے بعد مخیس کو تعمیر کیا ہے جو ایک مضبوط قلعہ ہے اور امیر بھی دانا ہے۔

کتاب وسنت سے سزائے قید کا ثبوت

مصنف ابوداؤد میں بطریق نضر بن شمیل مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے ایک قرضدار کو لایا۔ تو آپ نے مجھ سے فرمایا اس کے ساتھ ساتھ لگے رہو پھر فرمایا: اے بنی تمیم کے بھائی تو اپنے قیدی کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتا ہے۔

بعض علماء نے جو قید کو مشروع سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کیا ہے کہ {فَاَمْسِکُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ} یعنی پس ان (زنا کا ارتکاب کرنے والی) عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا خاتمہ کر دے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے جو آپ نے اس شخص کے بارے میں فرمایا تھا۔ جس نے دوسرے آدمی کو پکڑ رکھا تھا یہاں تک کہ اس کو قتل کر ڈالا۔ کہ قتل کرو قتل کرنے والے کو اور قید کرو قید کرنے والے کو۔ اور

ابو عبید نے کہا آپ کے اس قول سے قید کرو قید کرنے والے کو یہ مراد ہے کہ قید کرو اس شخص کو جس نے مقتول کو قتل کے ارادے سے قید کیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اور اسی طرح عبدالرزاق نے اپنی مصنف میں حضرت علی بن ابی طالبؓ سے ذکر کیا ہے کہ وہ قید کرنے والے کو قید خانہ میں مقید کر دیتے تھے یہاں تک کہ وہ مر جاتا۔ (اقضیۃ الرسول: از صفحہ ۱۲ تا ۱۵)

جیل اور قید خانہ کے ثبوت کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا مصر میں قید ہونا اور سات سال تک جیل میں گزارنا کیا یہ نفس قید خانہ کے ثبوت کے لیے کافی نہیں ہے؟ جائز اور ناجائز قید ہونا الگ چیز ہے قرآن مجید جیل کا منظر پیش کر رہا ہے نیز یہ بھی عرض ہے کہ غامدی صاحب تو اپنے نظریات کو اکثر و بیشتر جاہلیت کے اشعار سے ثابت کرتا رہتا ہے مکہ مکرمہ کی جیل میں محبوس ایک عاشق شاعر قید خانہ میں افسوس ناک اشعار گا گا کر محبوبہ کے فراق اور پھر تصوراتی وصال کو اس طرح بیان کرتا ہے؟ حماسہ میں مذکور اس شاعر کا نام جعفر بن علبۃ الحارثی ہے وہ قید خانہ میں یوں کہتا ہے

هَوَایَ مَعَ الرَّکْبِ الْیَمَانِیْنَ مُصْعِدٌ جَنِیْبٌ وَ جُثْمَانِی بِمَکَّۃَ مُوْثَقٌ

میرا محبوبہ یمن کے قافلہ والوں کے ساتھ پہاڑ پر چڑھ کر جمگھٹے میں جا رہی ہے اور میں مکہ کی جیل میں قید پڑا ہوں

عَجِبْتُ لِمَسرا ھَاو اَنی تخلصتُ اِلَیَّ وَبَابُ السِّجْنِ دُوْنِیْ مُغْلق

رات کے وقت اس کے آنے سے مجھے تعجب ہوا کہ مجھ تک وہ کیسی پہنچ گئی حالانکہ جیل کا دروازہ بند تھا (حماسہ)

بنو طے کے ایک چور اور ڈاکو کے احوال حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچے تو آپ نے اس کے پکڑنے کے لیے دو آدمیوں کو بھیجا ڈاکو نے خطرہ محسوس کیا تو بھاگ گیا اور چند اشعار میں حضرت علی کی جیل اور قید کرنے کے اقدام کو بیان کیا یہ وہی مخیس ہے جس کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے

تجللت العصا و علمت انی رھین مخیس ان ادر کونی

میں نے اپنے گھوڑے ''عصا'' پر جھول ڈال کر بھاگا اور مجھے یقین تھا کہ اگر مجھے وہ لوگ پکڑیں گے تو میں مخیس جیل میں پڑا رہوں گا۔

ولو انی لبثت لھم قلیلا لجرونی الی شیخ بطین

اگر میں ان لوگوں کے لیے تھوڑا سا رک جاتا تو وہ مجھے پکڑ کر پیٹ والے شیخ حضرت علی کی طرف کھینچ کر لے جاتے۔

بہر حال قید خانوں کا ثبوت دور صحابہ سے ہے پھر بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں پھر مغل بادشاہوں کے ہاں پھر خلافت عثمانیہ کے دور میں اور پھر آج کی دنیا میں مسلسل قید خانوں کا وجود رہا ہے کوئی عقل مند اس کا انکار نہیں کرسکتا ہے۔

غامدی صاحب کے منشور سے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ ان کے منشور کے

واضح دفعات ہیں کوئی مبہم کلام نہیں ہے منشور ہے جس کے دفعات آفتاب نصف النہار کی طرح واضح ہوتے ہیں کوئی ایسا مبہم کلام نہیں ہے جس کو پڑھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا ہو اور اندازوں سے اس پر رد کر رہا ہو کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ غامدی صاحب کا کلام اور اس کا مطلب لوگ نہیں سمجھتے ہیں اس لیے اعتراض کرتے ہیں میں کہتا ہوں کہ منشور تو ایسی چیز ہوتی ہے جس میں ابہام کا امکان نہیں ہوتا وہ تو لوگوں کے سامنے کھلی کتاب ہوتی ہے تا کہ خوب سمجھ کر لوگ اسے قبول کریں منشور کا معنی ہی کھلی کتاب ہے بہر حال میں اب غامدی صاحب کے منشور کے دفعات پر تبصروں سے فارغ ہو چکا ہوں میرے قلم میں اگر کہیں سختی آئی ہے تو یہ کسی عمل کا ردعمل ہے اور غامدی صاحب کے اس شعر پر عمل ہے

جو اس نے اپنی کتاب برھان کی ابتداء میں اس طرح لکھا ہے:

چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

خاتمہ کلام

اس کتاب میں جو کچھ میں نے پیش کیا ہے یہ تو غامدی صاحب کے منشور کے دفعات تھے اس کے علاوہ غامدی صاحب کی مختلف کتابوں میں جو غلط نظریات

موجود ہیں اس کی ایک مختصر فہرست میں قارئین کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں تاکہ بطور خلاصہ حوالہ جات کے ساتھ غامدی صاحب کے غلط نظریات مسلمانوں کے سامنے آجائیں ان کے سارے غلط نظریات کا پیش کرنا تو بہت لمبا کام ہے لیکن چند اہم غلطیوں کی نشاندہی بطور مشتے از نمونہ خروارے پیش خدمت ہے: یہ عبارات اور حوالہ جات میں نے ''غامدی مذہب کیا ہے'' سے نقل کیا ہے۔

لہٰذا اب غامدی صاحب کے عقائد و نظریات کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

۱۔ قرآن کی صرف ایک ہی قرأت درست ہے، باقی سب قرأتیں عجم کا فتنہ ہیں (میزان صفحہ:۲۵،۲۶،۳۲ طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ء)

۲ سنت قرآن سے مقدم ہے (میزان صفحہ، ۵۲ طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ئ)

۳ سنت صرف افعال کا نام ہے۔ اس کی ابتداء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوتی ہے۔ (میزان صفحہ، ۱۰، ۶۵ طبع دوم، اپریل، ۲۰۰۲ئ)

۴ سنت صرف ستائیس (۲۷) اعمال کا نام ہے (میزان صفحہ، ۱۰ طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ئ)

۵ حدیث سے کوئی اسلامی عقیدہ یا عمل ثابت نہیں ہوتا (میزان، صفحہ،

۶۴طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ئ)

۶ دین کے مصادر وماخذ قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف ہیں۔(میزان صفحہ ۴۸،طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ئ)

۷ دین میں معروف اور منکر کا تعین فطرت انسانی کرتا ہے(میزان صفحہ، ۴۹،طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ئ)

۸ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے بعد کسی شخص کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا (ماہنامہ اشراق، دسمبر ۲۰۰۲ئ، صفحہ ۵۴،۵۵)

۹ زکوۃ کا نصاب منصوص اور مقرر نہیں ہے۔(قانون عبادات، صفحہ ۱۱۹، طبع اپریل ۲۰۰۵ئ)

۱۰ اسلام میں موت کی سزا صرف دو جرائم (قتل نفس اور فساد فی الارض) پر دی جاسکتی ہے(برہان صفحہ، ۱۴۳،طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ئ)

۱۱ دیت کا قانون وقتی اور عارضی تھا۔(برہان صفحہ، ۱۸، ۱۹،طبع چہارم جون، ۲۰۰۶ئ)

۱۲ قتل خطا میں دیت کی مقدار منصوص نہیں ہے اور یہ ہر زمانے میں تبدیل کی جاسکتی ہے(برہان، صفحہ، ۱۸، ۱۹ طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ئ)

۱۳ عورت اور مرد کی دیت (Blood Money) برابر ہوگی (برہان

صفحہ ۱۸ طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ ئ)

۱۴ مرتد کے لیے قتل کی سزا نہیں ہے (برہان، صفحہ ۱۴۰، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ ئ)

۱۵ شادی شدہ اور کنوارے زانی دونوں کے لیے ایک ہی حد سو کوڑے ہے (میزان، صفحہ، ۲۹۹، ۳۰۰ طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ ئ)

۱۶ شراب نوشی پر کوئی شرعی سزا نہیں ہے (برہان، صفحہ، ۱۳۸، طبع چہارم، جون ۲۰۰۶ ئ)

۱۷ غیر مسلم بھی مسلمانوں کے وارث ہو سکتے ہیں (میزان صفحہ، ۱۷۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ ئ)

۱۸ سور کی کھال اور چربی وغیرہ کی تجارت اور ان کا استعمال شریعت میں ممنوع نہیں ہے (ماہنامہ اشراق، اکتوبر ۱۹۹۸، صفحہ ۷۹ ئ) (میزان ص، ۳۲۰، طبع دوم اپریل ۲۰۰۲ ئ)

۱۹ عورت کے لیے دوپٹہ یا اوڑھنی پہننا شرعی حکم نہیں (ماہنامہ اشراق، مئی ۲۰۰۲ء صفحہ ۴۷)

۲۰ کھانے کی صرف چار چیزیں ہی حرام ہیں: خون، مردار، سور کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ (میزان صفحہ، ۳۱۱، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ ئ)

۲۱ بعض انبیاء قتل ہوئے ہیں مگر کوئی رسول کبھی قتل نہیں ہوا۔ (میزان، حصہ اول، صفحہ ۲۱، طبع ۱۹۸۵ئ)

۲۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پا چکے ہیں (میزان، حصہ اول، صفحہ ۲۲، ۲۳، ۲۴ طبع ۱۹۸۵ئ)

۲۳ یاجوج ماجوج اور دجال سے مراد مغربی اقوام ہیں (ماہنامہ اشراق جنوری، ۱۹۹۶ء صفحہ ۶۱)

۲۴ جانداروں کی تصویریں بنانا بالکل جائز ہے (ادارۂ المورد کی کتاب ''تصویر کا مسئلہ'' صفحہ ۳۰)

۲۵ موسیقی اور گانا بجانا بھی جائز ہے (ماہنامہ اشراق، مارچ، ۲۰۰۴ء صفحہ ۸،۱۹)

۲۶ عورت مردوں کی امامت کرا سکتی ہے۔ (ماہنامہ اشراق، مئی ۲۰۰۵ء صفحہ ۳۵ تا ۴۶)

۲۶ اسلام میں جہاد و قتال کا کوئی شرعی حکم نہیں (میزان، صفحہ ۲۶۴، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ئ)

۲۸ کفار کے خلاف جہاد کرنے کا حکم اب باقی نہیں رہا اور مفتوح کافروں سے جزیہ لینا جائز نہیں (میزان، صفحہ ۲۷۰، طبع دوم، اپریل ۲۰۰۲ئ)

اہل علم جانتے ہیں کہ مذکورہ بالا تمام عقائد ونظریات قرآن وسنت اور اجماع امت کے خلاف ہیں اور ان سے دین اسلام کے مسلمات کی نفی ہوتی ہے جو موجب کفر ہے۔

(ماخوذاز''غامدی مذہب کیا ہے'' تالیف پروفیسر مولانا محمد رفیق صاحب ازص ۱۲ تا ۱۵)

جاوید غامدی کا ایک خطرناک نظریہ

جاوید احمد غامدی صاحب نے مضمون نگاری اور قلمکاری کے دبیز پردوں میں اسلام کی مکمل بخیہ گری کی ہے اسلام کا کوئی شعبہ ایسانہیں بچا ہے جس میں غامدی صاحب نے ہاتھ کی صفائی کے ساتھ ہاتھ نہ مارا ہو۔

لیکن غامدی صاحب کا ایک خطرناک نظریہ جوان کے کلام سے مترشح ہوتا ہے خدا نہ کرے کہ یہ ان کی دل کی آواز ہو لیکن ان کے بعض الفاظ اور تحریرات انتہائی خطرناک ہیں اور وہ یہ کہ غامدی صاحب اصل پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھ رہے ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف چند اضافوں کیساتھ دین ابراہیمی کا مجدد قرار دے رہے ہیں اسی لیے غامدی صاحب اکثر مسائل کے اثبات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل عرب معاشرہ اور جاہلیت کے طور طریقوں اوران کے اشعار کو مدنظر رکھتے ہیں اوراسی پر زور دیتے ہیں خدا کرے ایسا نہ ہو لیکن اگر ایسا ہوا تو شاید غامدی صاحب اسلامی دنیا میں انسانیت کے

حوالہ سے بدترین اور سیاہ ترین آدمی ثابت ہوں گے غامدی کی عبارات ملاحظہ ہوں:

(۱) سنت سے ہماری مراد دین ابراہیمی کی وہ روایت ہے جسے نبی ﷺ نے اس کی تجدید واصلاح کے بعد اور اس میں بعض اضافوں کے ساتھ اپنے ماننے والوں میں دین کی حیثیت سے جاری فرمایا ہے (میزان ص ۱۰ طبع دوم)

غامدی کی کتابوں میں اس طرح کی عبارات مختلف مقامات پر موجود ہیں اس سے مترشح ہورہا ہے کہ غامدی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین ابراہیمی کے لیے مجدد اور مصلح سمجھتے ہیں مستقل نبی تصور نہیں کرتے ہیں۔

اوپر تحریر کردہ عبارت کی تائید اور نظریہ میں مزید عبارات ملاحظہ ہوں:

غامدی اپنی کتاب میزان ہی کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں کہ:

(۲) دین کے مصادر وماخذ قرآن کے علاوہ دین فطرت کے حقائق، سنت ابراہیمی اور قدیم صحائف ہیں (میزان ص ۴۸ طبع دوم)

اس عبارت سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں صحائف ومصادر وماخذ سے دین اسلام کشید کر کے امت کے سامنے پیش کیا ہے (نعوذ باللہ)

غامدی کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو:

(۳) سنت صرف افعال کا نام ہے اس کی ابتدا حضرت محمد ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی ہے (میزان ص:۱۰ و ۶۵ طبع دوم)

یہ عبارت بالکل واضح ہے کہ دین کے افعال و اعمال کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ کی ذات ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف مجدد کی حیثیت سے آئے ہیں۔

غامدی کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو:

(۴) سنت قرآن سے مقدم ہے (میزان ص: ۵۲ طبع دوم)

اس عبارت میں غامدی نے کھل کر اپنے نظریہ کا اظہار کیا ہے کیونکہ جب سب کچھ دین ابراہیمی ہے اور سنت ابراہیمی قرآن سے بہت پہلے اور قرآن پر مقدم ہے لہٰذا وہی نتیجہ آ گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مصلح اور مجدد کی حیثیت سے آئے ہیں نظام اسلام پہلے سے موجود تھا غامدی کے نظریہ میں یہی ہونا تھا جو ہو گیا اور یہی کہنا تھا جو کہہ گیا۔ غامدی کی ایک اور عبارت ملاحظہ ہو:

(۵) سنت صرف ستائیس اعمال کا نام ہے (میزان ص: ۱۰ طبع دوم)

چونکہ غامدی کے نزدیک آنحضرت کی حیثیت ایک مجدد کی ہے لہٰذا ان سے ثابت شدہ ہزاروں سنتوں کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے حیثیت انہیں سنتوں کی ہے جو قرآن سے پہلے حضرت ابراہیم سے ثابت شدہ ہیں اور وہ غامدی کے نزدیک

ستائیس ہیں کبھی چالیس بھی کہہ جاتے ہیں، میرے خیال میں غامدی صاحب کا عقیدہ ونظریہ یہی ہوگا جوان عبارات سے مترشح ہوتا ہے خدا کرے ایسا نہ ہو لیکن غامدی صاحب اپنے علم وقلم کے باوجود گیند کی طرح جو لڑھکتا ہوا نظر آتا ہے اور لمحہ بہ لمحہ اس کا دماغ جو چکر کھاتا ہوا نظر آتا ہے شاید اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان کے اسلام کی بنیادیں ہل گئیں ہیں۔ غامدی صاحب جاہلیت قدیمہ وجدیدہ کے عربی قصائد سے چوٹی کے اشعار لالا کر سامعین پر ادبی رعب جماتا رہتا ہے دیوان حماسہ اور السبع المعلقات وغیرہ سے اپنے مطلب کے اشعار سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے میں غامدی صاحب کے عربی اور اردو ادب کا اعتراف کرتا ہوں لیکن دین اسلام کی بنیاد ادبی چٹکلوں پر نہیں ہے نیز ادبی ذوق کی ان راہوں میں غامدی صاحب اگر دیکھیں تو کئی مسافروں کو بھی ان راہوں میں پالیں گے میدان کو خالی نہ سمجھیں غامدی صاحب کی جدید تحقیقات انیقہ کے صلہ میں انہیں کا ایک شعر ان کی خدمت میں پیش خدمت ہے جو غامدی صاحب نے اپنی کتاب برہان کے خاتمہ پر آخری سطر میں ڈاکٹر محمود الحسن صاحب کے لیے لکھا ہے:

نگاہ تیری فرومایہ ہاتھ ہے کوتاہ ۔۔۔ تیرا گناہ؟ کہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ؟

اللہ تعالیٰ ہمیں اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا پر استقامت عطا فرمائے

اور قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے

آخر میں غامدی صاحب کے شعر کو غامدی صاحب ہی کے لیے پیش کر کے بات ختم کرتا ہوں

؎ چمن میں تلخ نوائی میری گوارا کر کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک واتوب الیک استغفر اللہ العظیم لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین امین یارب العالمین

فضل محمد یوسف زئی

استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۷ صفر المظفر ۱۴۳۶ھ موافق ۲۰ دسمبر ۲۰۱۴ء

جاوید احمد غامدی صاحب کا قلم

جاوید احمد غامدی صاحب ایک قادر الکلام صاحب قلم اسکالر ہیں ادبی شہہ پاروں کے ضمن میں تلمیحات واشارات اور طنز وتشریحات وتاویلات کے اچھے خاصے ماہر ہیں اپنے اس فن کے داؤ پیچ میں وہ کبھی مخاطب کو اچھی خاصی گالی دے جاتے ہیں مگر قلم کی صفائی سے کسی کو احساس ہونے نہیں دیتے ہیں میں غامدی صاحب

کے چند چیدہ چیدہ کلمات ان کی کتابوں سے چن کر قارئین کے سامنے رکھتا ہوں اور اپنے مخاطبین کو یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ جاوید غامدی صاحب کے خلاف اگر کہیں کسی کے قلم میں سختی دکھائی دیتی ہے تو وہ اسی کے قلم کے عمل کا ردعمل ہوگا چنانچہ غامدی صاحب صحابی رسول حضرت ماعز اسلمی ؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت ماعز اسلمی ؓ جاوید غامدی کے قلم کی زد میں

جناب غامدی صاحب کے صحابی رسول کی تحقیر و توہین کے کلمات سے پہلے ایک ضابطہ اور قاعدہ سمجھ لینا چاہیے وہ یہ ہے کہ تکمیل شریعت کے لیے اور امت کو شریعت کا عملی نمونہ دکھانے کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام اعمال وافعال پر خود عمل فرمایا ہے جو اعمال وافعال عصمت نبوت کے منافی نہیں تھے اگرچہ عام ماحول میں وہ بہت ہی ناآشنا اور ثقیل سمجھے جاتے تھے جیسے منہ بولے بیٹے کی مطلقہ بیوی سے نکاح کرنے کو عرب جاہلیت میں حرام سمجھتے تھے چنانچہ اس رسم کو توڑنے کے لیے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ ؓ کی مطلقہ بیوی سے آپ نے نکاح کر کے عرب جاہلیت کے ایک سخت ترین رواج کو توڑ ڈالا یہ فعل چونکہ عصمت انبیاء کے منافی نہیں تھا اس لیے آنحضرت نے اپنی ذات مبارک کو اس کے توڑنے کے لیے پیش فرمایا لیکن بعض افعال واعمال ایسے تھے کہ تکمیل شریعت کے لیے اس کا نمونہ پیش کرنا ضروری تھا جیسے چوری کی پاداش

میں ہاتھ کٹ جانا زنا کی پاداش میں شادی شدہ کے لیے سنگسار ہوجانا شراب پینے پر اسی (۸۰) کوڑوں کی سزا دینا حد قذف میں اسی (۸۰) کوڑے کھانا یہ ایسے افعال تھے جن کا ارتکاب شانِ نبوت اور عصمتِ انبیاء کے خلاف تھا آنحضرت اس کا نمونہ خود پیش نہیں کر سکتے تھے اور تکمیل شریعت کے لیے اس کا عملی نمونہ نہایت ضروری تھا اس لیے تکوینی طور پر بعض صحابہ اور بعض صحابیات سے ایسے افعال سرزد ہوگئے جن پر حد نافذ ہوگئی اور امت کو شریعت مقدسہ کا ایک عملی نمونہ مل گیا کہ شادی شادی شدہ مرد کو اس طرح سنگ سار کیا جاتا ہے زانیہ عورت کو اس طرح سنگ سار کیا جاتا ہے غیر شادی شدہ مرد و عورت اور حد خمر وحد قذف میں اس طرح کوڑے مارے جاتے ہیں چور اور چورنی کا ہاتھ اس طرح کاٹا جاتا ہے چنانچہ ان سزا یافتہ صحابہ وصحابیات کی یہ بڑی قربانی تھی جنہوں نے گویا تکمیل شریعت کے لیے اپنے آپ کو پیش کیا اور اسلامی شریعت کی تکمیل ہوگئی اس پیارے منظر نامے سے ان سزا یافتہ صحابہ وصحابیات سے امت کے ہر سننے پڑھنے والے کے دل میں محبت اور عقیدت پیدا ہوجاتی ہے میں جب حدیث میں ان حضرات کے اخلاص پر مبنی احادیث پڑھاتا ہوں تو بے اختیار خود بھی روتا ہوں اور طلبہ بھی روتے ہیں اس کے برعکس جاوید غامدی صاحب نے ان صحابہ وصحابیات کو غنڈے اوباش بدترین اشخاص بڑے بد

معاش بدترین انتہائی بدخصلت غنڈے، جنسی ہیجان کے غلبہ میں مہینوں عورتوں کا پیچھا کرنے والے جیسے ناموں سے اپنی کتاب برھان میں یاد کیا ہے (دیکھئے برھان ص: ۸۳ تا ۹۱ طبع ہفتم دسمبر ۲۰۰۹ئ)

غامدی صاحب نقشہ پیش کرنے سے ان صحابہ سے دلوں میں نفرت پیدا ہوتی ہے اور آنحضرت نے جوان کی مدح فرمائی ہے اور جنت کی بشارت سنائی ہے مشکوک ہوجاتے ہیں جن شارحین حدیث اور محدثین وفقہاء اور مدارس کے علماء نے ان صحابہ وصحابیات کے خلوص اور خوف آخرت اور گناہ پر ندامت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے لیے جنت کی بشارت اور توبہ کی عظیم قبولیت کو بیان کیا تو ان تمام چیزوں کو جاوید احمد غامدی نے نہایت چالاکی سے رد کیا اور حضرت ماعز پر نہایت گندے اور رکیک حملے کیے ہیں برھان میں غامدی کی عبارت ملاحظہ فرمائیں وہ کس انداز سے حضرت ماعز کو مجرم ٹھہرا رہے ہیں۔

اصل قصہ یہ ہے کہ جاوید غامی ان کے استاد امین اصلاحی ان کے استاد حمید الدین فراہی رجم کی سزا کو نہیں مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ زانی کے لیے قرآن میں صرف کوڑے ہیں خواہ زانی شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو اور رجم کی احادیث سب غلط اور ناقابل اعتبار ہیں۔

ادھر احادیث کی کتابوں بخاری ومسلم اور صحاح ستہ میں عہد نبوی میں رجم کے کئی

واقعات پیش آئے ہیں جو تواتر عملی اور اجماع صحابہ سے ثابت شدہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے رجم کی سزا سے انکار وفرار کی وجہ سے غامدی صاحب ان کے استاد امین اصلاحی ان کے استاد حمید الدین فراہی صاحب نے ان واقعات کو ''فساد فی الارض'' قرار دیا اور پھر ان صحابہ وصحابیات پر فساد فی الارض اور بغاوت ومحاربہ کا دفعہ چسپاں کر دیا اور کہا کہ یہ ڈکیت قسم کے لوگ تھے بدمعاش تھے غنڈے تھے ڈیرے ڈالنے والیاں تھیں قحبہ گر عورتیں تھیں بغاوت پر اترنے والے لوگ تھے اس لیے ان کو زنا کی وجہ سے نہیں بلکہ ان اضافی امور کی وجہ سے سنگ سار کیا گیا ہے ان کی سزا کا دفعہ سورت مائدہ کی آیت محاربہ کے تحت آتا ہے اور اسی کی روشنی میں یہ لوگ سنگ سار کیے گئے ہیں ان لوگوں نے اگر اعتراف کیا تو جان بچانے کے لیے کیا آنحضرت نے جو مدح فرمائی تو مرنے کے بعد ایسا ہوتا ہے یہ ان لوگوں کی پاکی دلیل نہیں ہے بہرحال غامدی صاحب کی لمبی عبارت ملاحظہ کیجئے اور فیصلہ فرمائیں کہ صحابہ کے بارے میں ان کا اخلاقی معیار کس پیمانے پر ہے برھان ص: ۸۳ طبع ہفتم دسمبر ۲۰۰۹ء پر وہ لکھتے ہیں:

اس میں شبہ نہیں کہ ماعز کے بارے میں یہ سب باتیں حدیث کی کتابوں میں بیان ہوئی ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جس کی بنیاد پر اس کے اس کردار کی نفی کی جا سکے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے

نمایاں ہوتا ہے۔

اعتراف جرم اور ندامت سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ کوئی مرد صالح تھا جس سے یہ جرم اتفاقاً سرزد ہو گیا۔ دنیا میں جرائم کی جو تاریخ اب تک رقم ہوئی ہے، اس سے دسیوں مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں کہ بدترین اوباش اور انتہائی بدخصلت گنڈے جو کسی طرح گرفت میں نہیں آسکتے تھے، ارتکاب جرم کے فوراً بعد کسی وقت اس طرح قانون کے سامنے خود پیش ہوئے کہ ان کی ندامت پر لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے ہم دردی کے جذبات امنڈ آئے۔ نفسیات جرم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے محرکات کئی ہو سکتے ہیں: مجرم اس اندیشے میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ اب یہ جرم چھپا نہ رہے گا، اس لیے وہ خود آگے بڑھ کر اس خیال سے اپنے آپ کو قانون کے سامنے پیش کر دیتا ہے کہ اس طرح شاید اسے سخت سزا نہ دی جائے۔ جرم اس طریقے سے سرزد ہوتا ہے کہ اس کے افشا کو روکنا فی الواقع ممکن نہیں رہتا۔ چنانچہ وہ سبقت کر کے اپنے آپ کو لوگوں کے ردعمل کی شدت سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ جنسی ہیجان کے غلبہ میں مہینوں عورتوں کا پیچھا کرنے والے جب پہلی مرتبہ زنا بالجبر کا ارتکاب بیٹھتے ہیں تو بعض اوقات اس جرم کے نتیجے میں ہیجان کا ختم ہو جانا ہی انہیں اعتراف جرم پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مجرم کے ماحول میں کسی غیر معمولی دینی شخصیت کا وجود بھی اس کا باعث بن

جاتا ہے۔ جرم کے حالات، مثلاً مجرم کی درندگی کا شکار ہونے والی عورت یا بچے کی بے بسی بھی یہ نتیجہ پیدا کر دیتی ہے۔ ضمیر کی خلش اور انسان کے اندر سے نفس لوامہ کی سرزنش بھی صرف بھولے بھالے مجرموں ہی میں احساس ندامت پیدا کرنے کا باعث نہیں بنتی، بڑے بڑے بدمعاش بھی بعض اوقات کسی خاص صورت حال میں اس سے متنبہ ہو جاتے ہیں اور پھر پورے خلوص کے ساتھ، نہ صرف یہ اپنے جرم کا اعتراف کر لیتے ہیں، بلکہ اصرار کرتے ہیں کہ انہیں جلد سے جلد کیفر کردار کو پہنچا دیا جائے۔

پروردگار اسے جنت میں بھی داخل کر سکتا ہے۔ اللہ کا رسول اگر دنیا میں موجود ہو اور اسے وحی کے ذریعے یہ بتایا جائے کہ مجرم کی مغفرت ہوگئی اور یہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کی نماز جنازہ پڑھے اور لوگوں کو بھی اس کے حق میں دعا کی نصیحت کرے تو اس سے اس کردار کی نفی کس طرح ہو جائے گی جو توبہ و اصلاح سے پہلے اس مجرم کا رہا؟ اس سے کیا یہ سمجھا جائے کہ کسی اوباش کو کبھی توبہ کی توفیق نہیں ملتی؟ اور جو شخص توبہ کر لے، اس کے بارے میں یہ باور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کبھی اوباش بھی رہا تھا؟ (برہان ۸۴)

اسی طرح یہ بات تو بے شک صحیح ہے کہ کسی بدترین شخص کا ذکر بھی اس کے مر جانے کے بعد کبھی برے لفظوں میں نہیں کرنا چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسی بنا پر ان لوگوں کو تنبیہ کی جو ماعز کے بارے میں یہ کہہ رہے تھے کہ اس کی شامت نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا، یہاں تک کہ کتے کی طرح سنگ سار کر دیا گیا، لیکن اس کے معنی کیا یہ ہیں کہ جس شخص کے بارے میں بغیر کسی ضرورت کے اس طرح کا تبصرہ کرنے سے لوگوں کو روکا جائے، وہ لازماً کوئی ہستی معصوم ہی ہوتا ہے؟ اور قانون و شریعت کی تحقیق کے لیے بھی اس کا کردار کبھی زیر بحث نہیں لایا جا سکتا؟

رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے، مثلاً اس طرح کے سوالات کیے کہ کیا تم جانتے ہو کہ زنا کیا ہے؟ تو یہ وہ سوالات ہیں جو اعتراف جرم کی صورت میں ہر عدالت کو لازماً کرنے چاہییں۔ اس صورت میں چونکہ اس بات کا ہر وقت امکان ہوتا ہے کہ بعد میں کوئی شخص مجرم کے کسی مبہم بیان کی بنا پر عدالت کے فیصلے پر معترض ہو اور مدینہ کے ماحول میں جہاں منافقین صبح و شام اسی طرح کے فتنوں کے لیے سرگرم رہتے تھے، اس بات کا اندیشہ چونکہ اور بھی زیادہ تھا، اس وجہ سے آپ نے اپنے سوالات کے ذریعے سے معاملے کا کوئی پہلو غیر واضح نہیں رہنے دیا۔ اس سے کوئی شخص اگر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بے چارہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ زنا کیا ہے تو اس کے بارے میں پھر کیا عرض کیا جا سکتا ہے! حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کے لوگ اگر زنا بالجبر کے متعلق

یہ بھی کہتے ہیں کہ شرفا بھی کبھی کبھی اس کے مرتکب ہوجایا کرتے ہیں تو اس پر کچھ تعجب نہ کرنا چاہیے۔ عقل و دانش کی جو مقدار اب ہمارے مدرسوں میں باقی رہ گئی ہے، اس کے بل بوتے پر اس سے زیادہ کیا چیز ہے جس کی توقع ان لوگوں سے کی جاسکتی ہے؟

بہر حال یہ ہے ان سب باتوں کی حقیقت، لیکن اس کے باوجود اگر کوئی شخص اصرار کرتا ہے کہ ان روایات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی ہستی معصوم تھا جو بس یونہی راہ چلتے کسی عورت سے بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھا تو اسے پھر مان لینا چاہیے کہ اس صورت میں نہایت شدید قسم کا جو تناقض اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر اور ان روایات کے مضمون میں پیدا ہوجائے گا، اس کی بنا پر کوئی حتمی بات اس مقدمے کے بارے میں بھی کسی شخص کے لیے کہنا ممکن نہ ہوگا۔

یہ ہیں وہ روایتیں اور مقدمات جن کی بنیاد پر ہمارے فقہا قرآن مجید کے حکم میں تغیر کرتے اور زنا کے مجرموں کے لیے ان کے محض شادی شدہ ہونے کی بنا پر رجم کی سزا ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سارے مواد پر جو تبصرہ ہم نے کیا ہے، اس کی روشنی میں پوری دیانت داری کے ساتھ اس کا جائزہ لیجیے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ اگر کوئی بات معلوم ہوتی ہے تو بس یہ ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے زنا کے بعض مجرموں کو رجم اور جلاوطنی کی سزا بھی دی ہے۔ لیکن کس قسم کے مجرموں کے لیے یہ سزا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء نے کس طرح کے زانیوں کو یہ سزا دی؟ اس سوال کے جواب میں کوئی حتمی بات ان مقدمات کی رودادوں اور ان روایات کی بنیاد پر نہیں کہی جا سکتی۔ (برہان ص:۸۸)

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ حمید الدین فراہی کے قلم کی زد میں

علامہ غامدی کہتے ہیں کہ اس سزا (رجم) کا ماٴخذ در حقیقت کیا ہے؟ یہی وہ عقدہ ہے جسے امام حمید الدین فراہی نے اپنے رسالہ ''احکام الاصول باحکام الرسول'' میں حل کیا ہے۔ اپنے اصول کے مطابق انہوں نے ان مبہم اور متناقض روایات سے قرآن مجید کے حکم میں کوئی تغیر کرنے کے بجائے انہیں اس کتاب کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کے نزدیک رجم اور جلاوطنی کی اس سزا کا ماٴخذ سورۃ مائدہ کی آیت محاربہ ہے۔

امام حمید الدین فراہی کی اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ زانی کنوارا ہو یا شادی شدہ، اس کی اصل سزا تو سورہ نور میں قرآن کے صریح حکم کی بنا پر سو کوڑے ہی ہے، لیکن مجرم اگر زنا بالجبر کا ارتکاب کرے یا بدکاری کو پیشہ بنا لے یا کھلم کھلا اوباشی پر اتر آئے یا اپنی آوارہ منشی، بدمعاشی اور جنسی بے راہ روی کی بنا پر شریفوں کی

عزت و ناموس کے لیے خطرہ بن جائے یا مردہ عورتوں کی نعشیں قبروں سے نکال کران سے بدکاری کا مرتکب ہو یا اپنی دولت اور اقتدار کے نشے میں غربا کی بہو بیٹیوں کو سربازار برہنہ کرے یا کم سن بچیاں بھی اس کی درندگی سے [illegible]ط نہ رہیں تو مائدہ کی اس آیت محاربہ کی رو سے اسے رجم کی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ اسی طرح مجرم کے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے جو دوسری سزائیں اس آیت میں بیان ہوئی ہیں، وہ بھی اگر عدالت مناسب سمجھے تو اس طرح کے مجرموں کو دے سکتی ہے۔ انہی سزاؤں میں سے ایک سزا جلاوطنی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مجرموں کو جو محض زنا ہی کے مجرم نہیں تھے، بلکہ اس کے ساتھ اپنی اوباشی کی بنا پر فساد فی الارض کے مجرم بھی تھے، یہ دونوں سزائیں دی ہیں۔ چنانچہ ان میں وہ مجرم جو اپنے حالات اور جرم کی نوعیت کے لحاظ سے رعایت کے مستحق تھے، انہیں آپ نے زنا کے جرم میں آیہ نور کے تحت سو کوڑے مارنے کے بعد معاشرے کو ان کے شر و فساد سے بچانے کے لیے ان کی اوباشی کی پاداش میں مائدہ کی اسی آیت محاربہ کے تحت جلاوطنی کی سزا دی اور ان میں سے وہ مجرم جنہیں کوئی رعایت دینا ممکن نہ تھا، اسی آیت کے حکم: ان یقتلو: کے تحت رجم کردیے گئے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ امین احسن اصلاحی کے قلم کی زد میں

امین اصلاحی نے بھی حمید الدین فراہی کی طرح سنگ ساری اور رجم کی سزا کو آیت محاربہ کے تحت داخل کیا ہے اور نام لیے بغیر حضرت ماعزؓ اور رجم کے سزا یافتہ دیگر مرد و خواتین کو انہیں القاب سے یاد کیا جو حمید الدین فراہی نے یاد کیا اور جو ان کی اتباع میں آج کل جاوید احمد غامدی ان القاب سے آنحضرت کے ان صحابہ کو یاد کر رہے ہیں جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے امین اصلاحی سورت مائدہ کی آیت محاربہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''اللہ اور رسول سے محاربہ یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ یا جتھا جرأت و جسارت، ڈھٹائی اور بے باکی کے ساتھ اس نظام حق و عدل کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے جو اللہ اور رسول نے قائم فرمایا ہے۔ اس طرح کی کوشش اگر بیرونی دشمنوں کی طرف سے ہو تو اس کے مقابلے کے لیے جنگ و جہاد کے احکام تفصیل کے ساتھ الگ بیان ہوئے ہیں۔ یہاں بیرونی دشمنوں کے بجائے اسلامی حکومت کی رعایا ہوتے ہوئے، عام اس سے کہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، اس کے قانون اور نظام کو چیلنج کریں۔ قانون کی خلاف ورزی کی ایک شکل تو یہ ہے کہ کسی شخص سے کوئی جرم صادر ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ شریعت کے عام ضابطہ حدود و تعزیرات کے تحت کاروائی کی جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی شخص یا گروہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کی کوشش کرے۔ اپنے شر

وفساد سے علاقے کے امن ونظم کو درہم برہم کردے۔لوگ اس کے ہاتھوں اپنی جان، مال، عزت، آبرو کی طرف سے ہر وقت خطرے میں مبتلا رہیں۔قتل، ڈکیتی، رہزنی، آتش زنی، اغوا، زنا، تخریب، ترہیب اور اس نوع کے سنگین جرائم حکومت کے لیے لاء اور آرڈر کا مسئلہ پیدا کردیں۔ایسے حالات سے نمٹنے کے لیے عام ضابطۂ حدود وتعزیرات کے بجائے اسلامی حکومت مندرجہ ذیل اقدامات کرنے کی مجاز ہے''۔(تدبر قرآن ۲/۵۰۵)

اس کے بعد انہوں نے رجم کا ماخذ ان الفاظ میں واضح کیا ہے(قرآن میں تقتیل کا حکم مذکور ہے)اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ ان کو عبرت انگیز اور سبق آموز طریقہ پر قتل کیا جائے جس سے دوسروں کو سبق ملے۔صرف وہ طریقۂ قتل اس سے مستثنیٰ ہوگا جو شریعت میں ممنوع ہے، مثلاً: آگ میں جلانا، اس کے ماسوا دوسرے طریقے جو گنڈوں اور بدمعاشوں کو عبرت دلانے، ان کی دہشت زدہ کرنے اور لوگوں کے اندر قانون اور نظم کا احترام پیدا کرنے کے لیے ضروری سمجھے جائیں، حکومت ان سب کو اختیار کرسکتی ہے۔رجم یعنی سنگ سار کرنا بھی ہمارے نزدیک تقتیل کے تحت داخل ہے''۔(تدبر قرآن ۲/۵۰۵)

اس وجہ سے وہ غنڈے اور بدمعاش جو شریفوں کی عزت وناموس کے لیے خطرہ بن جائیں جو زنا اور اغوا کو پیشہ بنالیں جو دن دہاڑے لوگوں کی عزت وآبرو پر

ڈاکہ ڈالیں اور کھلم کھلا زنا بالجبر کے مرتکب ہوں ان کے لیے رجم کی سزا اس لفظ کے مفہوم میں داخل ہے (تدبر قرآن ۵۰۴/۲ ج ۴)

حضرت ماعزؓ کے علاوہ دیگر جن افراد کو عہد نبویؐ میں رجم کیا گیا امین احسن اصلاحی کے نزدیک یہ سب گنڈے تھے وہ لکھتے ہیں:

''اس عہد کی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بہت سے ڈیرے والیاں ہوتی تھیں، جو پیشہ کراتی تھیں، اور ان کی سرپرستی زیادہ تر یہودی کرتے تھے جو ان کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے، اسلامی حکومت قائم ہونے کے بعد ان لوگوں کا بازار سرد پڑ گیا، لیکن اس قسم کے جرائم پیشہ آسانی سے باز نہیں آتے، معلوم ہوتا ہے کہ اسی قماش کے کچھ مرد اور بعض عورتیں زیر زمین یہ پیشے کرتے رہے اور تنبیہ کے باوجود باز نہیں آئے، بالآخر جب وہ قانون کی گرفت میں آئے تو مائدہ کی اسی آیت کے تحت، جس کا حوالہ اوپر گزرا، آپ نے رجم کرایا''۔ (تدبر قرآن ج ۲ ص: ۵۰۶)

رجم سے متعلق حضرت عمر فاروق کی حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے امین احسن اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:

بہرحال یہ روایت بالکل بے ہودہ ہے اور ستم یہ کہ اسے حضرت عمر کی طرف منسوب کیا گیا ہے (تدبر قرآن ص: ۵۰۳)

رجم شدہ صحابہ وصحابیات کو مغفرت کی بشارت

عہد نبوی جن صحابہ اور صحابیات پر رجم کا قانون شرعی نافذ کیا گیا ان سے متعلق عقیدت ومغفرت اور نفرت وعداوت کے دونوں پہلو سامنے آسکتے تھے اس لیے لسانِ نبوت سے ان کی مغفرت اور جنت کی بشارت بالکل واضح طور پر آگئی تا کہ آیندہ ان سے متعلق کسی کی زبان سے غلط اور ہتک آمیز جملہ صادر نہ ہوجائے چنانچہ صحیح مسلم ج ۲ ص: ۶۸ پر حضرت بریدہؓ کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ ماعز بن مالک کے لیے استغفار کی دعا کرو لوگوں نے اس طرح دعا کی ''غَفَرَ اللّٰہُ لِمَاعِزِ بْنِ مَالِکٍ'' اللہ تعالیٰ ماعز بن مالک کی مغفرت فرمائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَقَدْ تَابَ تَوْبَۃً لَوْ قُسِّمَتْ بَیْنَ اُمَّۃٍ لَوَسِعَتْھُمْ:

ترجمہ: اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کردی جاتی تو پوری امت کو کافی ہوتی''۔

نسائی میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ رَأَیْتُہٗ بَیْنَ اَنْھَارِ الْجَنَّۃِ یَنْغَمِسُ (فتح الباری ج ۱۲ ص: ۱۳۰)

ترجمہ: 'میں نے اسے دیکھا کہ جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے''۔

مسند احمد بروایت ابوذر رضی اللہ عنہ یہ ارشاد مروی ہے:

قَدْ غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَاَدْخَلَ الْجَنَّۃَ (فتح الباری ص: ۱۳۰ ج ۱۲)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا اور اسے جنت میں داخل کر دیا''۔

صحیح ابوعوانہ میں بروایت جابرؓ یہ الفاظ ہیں:

فقد رأیتہ یتخضخض فی انہار الجنۃ (فتح الباری ص: ۱۳۰ ج ۱۲)

ترجمہ: ''میں نے اس کو جنت کی نہروں میں غوطے لگاتے ہوئے دیکھا ہے''۔

صحیح مسلم ج ۲ ص: ۶۸ پر غامدیہ کا واقعہ مشہور بھی ہے سنگ ساری کے دوران حضرت خالد کے چہرہ پر غامدیہ کے خون کا چھینٹا آ کر لگا حضرت خالد نے ان کو برا جملہ کہا تو آنحضرت نے فرمایا:

مَھْلًا یَا خَالِدُ! فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَۃً لَوْ تَابَھَا صَاحِبُ مَکْسٍ لَغُفِرَ لَہٗ

ترجمہ: ''اے خالد! برا بھلا کہنے سے باز رہو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایسی توبہ ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کی بھی بخشش ہو جاتی''۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر نماز پڑھنے کا حکم فرمایا، اور اسے دفن کر دیا گیا۔ صحیح مسلم ج ۲ ص: ۶۹ پر مذکورہ غامدیہ خاتون کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ترجمہ ملاحظہ ہو: اس غامدیہ نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر

مدینہ کے ستر گناہ گاروں پر تقسیم کردی جائے تو ان کے لیے بھی کافی ہو جائے گی کیا تمہیں اس سے افضل توبہ مل سکتی ہے کہ اس نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی جان قربان کردی۔

قارئین حضرات غور فرمائیں لسان نبوت سے ان صحابہ وصحابیات کے لیے کس قدر عظیم بشارت سنائی جارہی ہے اور کس قدر ان کی منزلت اور عظمت بتائی جارہی ہے اور دوسری طرف دیکھئے کہ غامدی صاحب اور ان کے استاد امین احسن اصلاحی صاحب اور ان کے استاد حمید الدین فراہی صاحب کی طرف سے ان کے بارے میں کیا مغلظات سنائے جارہے ہیں کم از کم یہ خیال تو کرتے کہ آنحضرت کے صحابہ ہیں یا یہ خیال کرتے کہ مرنے کے بعد کسی کو اس طرح یاد کرنے کی ممانعت ہے یا یہ سوچتے کہ ہم تو بڑے اخلاق کے دعویدار ہیں اور دوسروں سے اس کے طلب گار ہیں لیکن افسوس ہے کہ ان دانشوروں کا لہجہ صحابہ کرام اور احادیث کے بارے میں بالکل خوارج اور روافض کا ہے افسوس اور صد افسوس ہے۔

فقہاء کرام جاوید احمد غامدی کے قلم کی زد میں

جاوید احمد غامدی صاحب اپنے آپ کو بہت بڑا خیال کرتے ہیں چنانچہ اس کے قلم کے سامنے بڑے بڑے فقہاء کرام اور مفسرین ومحدثین زیادہ وزن نہیں

رکھتے ہیں رجم کے انکار کے مباحث میں انہوں نے سب پر سوقیانہ قلم چلایا ہے میں اپنے قارئین کو صرف یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ اخلاقیات اور تہذیب کے بلند وبالا دعوے کرنے والے غامدی صاحب اور ان کے رفقاء اخلاقیات وتہذیب کے کس معیار پر کھڑے ہیں اس کی جھلکی ملاحظہ فرمائیں۔

اب یہ ظاہر ہے کہ بات اگر دلیل سے کی جائے تو اس کے ردو قبول کا فیصلہ بھی دلیل کی بنیاد پر ہوگا۔ دلیل قوی ہے تو ہر اس شخص کو جو دیانت داری کے ساتھ حق کا طالب ہے، اسے قبول کرنا چاہیے اور دلیل کمزور ہے تو اسے پیش کرنے والے سلف وخلف کے اکابر ہی کیوں نہ ہوں، طالب حق کو پوری قوت کے ساتھ اسے رد کردینا چاہیے۔ آپ کسی بات کو دلیل سے منوانا چاہتے ہیں تو دوسروں کا یہ حق بھی تسلیم کیجئے کہ وہ اسے دلیل ہی کی بنیاد پر ماننے سے انکار کردیں۔ علم واستدلال نہ کسی گروہ کی میراث ہے، نہ کسی دور کا خاصہ۔ اگلوں کو اگر ایک اصول بنانے کا حق تھا تو ہمیں دلائل کے ساتھ اس کے ابطال کا بھی حق ہے۔ تنقید سے بالاتر اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف کتاب وسنت ہیں اور ان کی تعبیر وتشریح کا حق ہر اس شخص کو حاصل ہے جو اپنے اندر اس کی اہلیت پیدا کرلے۔ جو لوگ ہم سے پہلے آئے، وہ بھی انسان تھے، اور ہم بھی انسان ہیں اور انسانوں میں سے صرف پیغمبر ہی یہ حق رکھتے ہیں کہ ان کی بات بے چوں وچرا تسلیم کی جائے۔ دین کے

ایک طالب علم کی حیثیت سے ہم یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے ان حضرات کی جلالت علمی کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اور اس موضوع سے متعلق وہ ساری چیزیں پڑھی ہیں جو اس فن میں امہات کا درجہ رکھتی ہیں، لیکن ہمارے نزدیک چونکہ یہ سب حضرات پیغمبر نہیں تھے، اس لیے ان کے دلائل کی صحت وعدم صحت کا جائزہ لینے کی جسارت بھی ہم نے کی ہے۔ برسوں کے مطالعہ اور فکر وتدبر کے بعد ہم اس عقیدت واحترام کے باوجود جو ان حضرات کی علمی خدمات کے لیے ہمارے دل میں ہے، یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اپنے موقف کی تائید میں جتنے دلائل انہوں نے پیش فرمائے ہیں، وہ سب منطقی مغالطوں پر مبنی اور بے حد کمزور ہیں۔ اس وجہ سے ہمارے نزدیک یہ اصول کہ سنت قرآن مجید کے احکام میں کسی نوعیت کا تغیر وتبدل کر سکتی ہے، عقل ونقل، دونوں کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔

رجم کی سزا کے بارے میں ہمارے فقہاء نے اپنے استدلال کی عمارت چونکہ اس اصول کی بنیاد پر استوار کی ہے، اس وجہ سے ہماری رائے میں بہتر یہی ہے کہ ان کے بعض دوسرے ارشادات پر تنقید سے پہلے اس اصول کی غلطی واضح کر دی جائے، کیونکہ اصل کی تردید کے بعد فروع خود بخود بے معنی ہو جائیں گے۔

(برہان ص: ۳۷ طبع ہفتم)

علماء دیوبند کے بارے میں بھی غامدی صاحب نے بہت ہی نامناسب قلم استعمال کیا ہے ایک مختصر اور نرم سی عبارت ملاحظہ ہو، اس گروہ (یعنی طبقہ دیوبند) کی عمر پوری ہوچکی ہے اس کی مثال اب اس فرسودہ عمارت کی ہے جونئ تعمیر کے وقت آپ سے ویران ہوجائے گی آنے والے دور کی امامت دبستان شبلی کے لیے مقدر ہے (مقامات ص: ۲۱) بہر حال ان معروضات سے قارئین کو اس حقیقت کا اندازہ ہوجائے گا کہ غامدی گروپ کے نزدیک اکابر امت کی کیا حیثیت ہے میں نے یہ چند گزارشات جلدی میں لکھدیں ورنہ کہانی بہت لمبی ہے

خاطر مسلسل است پریشاں چوں زلفِ یار
عیبم مکن کہ درشب ھجران نوشتہ ام

ترجمہ: محبوب کے زلفوں کی طرح میرا دل پیچ وتاب کھارہا ہے آپ برا نہ مانیں کیونکہ میں نے شبِ ہجران میں یہ سطور لکھے ہیں۔